بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ حجۃ الوداع

موقع و محل، نوعیت، منظر و پس منظر

پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد☆

﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کی ہدایت (۱) کے لئے انبیاء و رسل (۲) کی بعثت اور کتب و صحائف کے نزول کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا تھا (۳) اس کا اختتام الکتاب و قرآن مبین (۴) (القرآن و کتاب مبین) (۵) پر اور اکمال و اتمام ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم (۶) پر ہوا۔

تمام حاملانِ منصب نبوت اور جملہ کارپردازانِ رسالت اگرچہ تاریخ عالم کے مختلف ادوار، مختلف دیار و امصار، اور مختلف اقوام و ملل میں متفرق تہذیبی و تمدنی تناظر میں تشریف لائے (۷) تاہم وہ سب کے سب ہدایت ربانی سے سرفراز، اللہ کے فرستادہ، اس کے پیغامبر (ممن ھدینا و اجتبینا (۸) کلاً ھدینا ۹) صدق و صفا کے پیکر، داعی الی الحق، اللہ کے پسندیدہ (الذین اصطفیٰ (۱۰) المصطفین الاخیار ۱۱)) اور منتخب خلائق (الذین اصطفینا من عبادنا (۱۲) کل من الاخیار (۱۳)) تھے۔ اور بحیثیت مجموعی ان کے نبی، رسول، پیغمبر ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا۔ (لا نفرق بین احدمنھم (۱۴) لا نفرق بین احد من رسلہ (۱۵)) البتہ یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اپنے وجودِ حسی، اپنی صفات، خصوصیاتِ ذاتی، اور اپنے اظہار کمالاتِ منصبی کے اعتبار سے ہر نبی کی حیثیت الگ الگ، ہر رسول کا تشخص جدا، ہر ایک کی فضیلت کا حوالہ مختلف ہے (۱۶) اور ہر پیغمبر بجائے خود منفرد و ممتاز ہے (۱۷)۔

اس لحاظ سے ذات و صفات و کمالاتِ مصطفوی میں بھی کوئی امر محتاج دلیل نہیں ہوسکتا۔ ہادیٔ

☆ سابق رئیس کلیہ فنون و صدر شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

اعظم، پیغمبر عالم ﷺ خَلق وخُلق کی تمام خوبیوں، نبوت و رسالت کے جملہ محاسن، تلقین و ہدایت کے تمام لوازم اور دعوت و ارشاد کے تمام مفاخر کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اپنی تشریف آوری میں سب سے متاخر ہونے کے باوجود امام الانبیا، سید الرسل قرار پائے۔ اور ختم الرسل بن کر گویا چمنِ ہدایت کے ہر گل سرسبد کا عطر کھینچ لائے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے انداز خاص سے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے کہ:

یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو اُن پر) کہ
بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے کے لئے آیا،
پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے کے لئے ہی آیا۔ وہی جو آ گئے کے بعد پھر کبھی
نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔(۱۸)

حضور اکرم ﷺ کی تمام صفات و خصوصیات کا بیان، آپ ﷺ کے جملہ امتیازات و کمالات کا احاطہ، اور دلالات و معجزات کا استقصا اگرچہ ممکن نہیں ہے (۱۹) تاہم گفتگو کے لئے اور بطور مطالعہ و استفاضہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اوصاف و امتیازاتِ رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ میں سے ایک وصف خاص اور نمایاں ترین امتیاز و اعزاز یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کسی خاص قوم، ملک، گروہ، آبادی یا خطے کے لئے نہیں ہوئی۔ نہ آپ ﷺ کا فرضِ منصبی عرب کی اصلاح یا عجم کی فلاح تک محدود تھا، نہ آپ کی نبوت و رسالت کو کسی خاص وقت یا زمانے سے مخصوص کیا گیا۔ بلکہ آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء والرسل بنا کر اور پیغمبر انسانیت کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کی بعثت ایک عالمگیر دعوت و پیغام کے ساتھ سارے عالم کے لئے، جملہ انفس و آفاق کے لئے بلکہ تمام جن و انس کے لئے ہوئی۔

تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْراً. (۲۰)

حضور سید الکونین ﷺ، رسول الثقلین کی یہ ہمہ گیر و عالمگیر پیغمبرانہ صفت، اور وصف آفاقیت اُن مسلمہ حقائق میں داخل ہے جن پر اجماع امت ہے (۲۱)۔ اور جن کی بہت کافی صراحت قرآن و حدیث میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں فرمایا گیا:

وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (۲۲)۔

سورۂ السبا میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْراً. (۲۳)

اور سورۃ الاعراف میں جہاں اہل کتاب سے نبی امی ﷺ پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے،

خاص سیاق وسباق کے ساتھ یہ کہہ کر سا کنانِ آفاق پر حجت تمام کی گئی:

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا. (۲۴)

اسی طرح متعدد احادیث میں (۲۵)، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس خصوصیت کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً صحیحین میں حضور ﷺ نے اپنی نبوت و رسالت کے جن خصائص کو خود شمار فرمایا ہے اس میں متذکرۃ الصدر وصف بھی شامل ہے۔ چنانچہ بخاری میں **اعطیتُ خمساً لم یعطھن احدا من الانبیاء** کے ضمن میں یہ ارشادِ گرامی منقول ہے کہ:

وکان النَّبی یُبْعَثُ إلی قومہ خاصَۃً و بُعِثْتُ إلی النَّاس کآفۃ (۲۶) جبکہ صحیح مسلم (کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ کے تحت روایت جابرؓ) کے الفاظ یہ ہیں **کان کلّ نبي یُبْعَثُ إلی قومہ خاصَۃً و بُعِثْتُ إلی کُلّ اَحْمَرَ وَ أسود.** (۲۷) اور روایت ابی ہریرۃؓ میں فرمایا گیا:

واُرسلتُ الی الخَلق کافَۃً و خُتِمَ بی النبیون. (۲۷/الف)

میں تمام مخلوقات کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور نبوت مجھ پر ختم کی گئی۔

بہر حال مندرجہ بالا آیات و احادیث اور تفصیلات سے دو باتوں کی وضاحت بخوبی ہو جاتی ہے:

اولاً یہ کہ ہدایت ربانی اور تاریخ نبوت و رسالت کے حوالے سے ایک دور وہ ہے جو دنیا میں آنحضرت ﷺ کے ظہور و بعثت سے پہلے گذرا اور جس میں (حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک آنے والے) تمام انبیا و رسل داخل ہیں (۲۸)۔ چونکہ تمام حضرات بہ تحدید زمان و مکاں مختلف قوموں میں مبعوث فرمائے جاتے رہے، اس لئے عقلاً ونقلاً بھی اُن نفوسِ قدسیہ کا دائرۂ اصلاح وارشاد محدود رہا اور ان کی نبوت و رسالت بھی ملکی، قبائلی، قومی اور بہر نوع مخصوص رہی۔ چنانچہ اس اصولی حقیقت کی مزید تائید ارشادِ ربانی: **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رُسُلاً اِلٰی قَوْمِھِمْ.** (۲۹) سے بھی ہوتی ہے اور تاریخی واقعات اور انبیاء و رسل کے حالات سے بھی (۳۰)۔

ثانیاً حضور اکرم ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں۔ اور آپ ﷺ کو تمام جہان کے لئے پیغمبرِ عالم، پیغمبرِ انسانیت بنا کر بھیجا گیا۔ (گویا الہامی ہدایت اور نبوت ورسالت کا مبارک عہد جو حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے ظہور و بعثت سے شروع ہوا ہنوز جاری وساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) یہاں ختم نبوت کے مضمرات و متضمنات سے بحث کا موقع نہیں ہے لیکن جیسا کہ علامہ اقبال نے بیان کیا ہے، (۳۱) اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا مشن عالمگیر حیثیت رکھتا ہے، ختم رسالت

not

دائمی شانِ نبوت کی مظہر ہے اور یہ کہ "رسالت محمدیہ قدیم اور جدید ازمنہ کے درمیان ایک قوت رابطہ ہے، بہ اعتبارِ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی کے حضرت رسول اکرم ﷺ قدیم زمانے سے مرتبط ہیں، مگر اپنی دعوت، پیغام اور استقرائی راہنما تعلیم کے ذریعے وہ جدید دنیا سے بھی وابستہ ہیں۔ یوں ختم نبوت دراصل قدیم وجدید کا نقطۂ ارتکاز ہے۔" (۳۲)

ھادیٔ عالم نبی معظم، محمد الرسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ عالمگیر، ابدی، اور آفاقی ہے، اس لئے آپ ﷺ کی یہ حیثیت بجائے خود اس بات کی متقاضی تھی کہ آپ کالایا ہوا دین و پیغام ابدی آفاقی اور عالمگیر ہو (۳۳)، چنانچہ سید الرسل ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اور جو آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور تبلیغ و تعلیم کا محور بنی وہ بھی ابدی، آفاقی اور عالمگیر رشد و ہدایت کا منبع ہے۔ اس کتاب (قرآن) کا تخاطب بھی تمام انسانوں سے ہے۔ اور وہ تمام عالم انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے، ہر عہد اور ہر زمانے کے لئے نسخۂ شفا، ضابطہ حیات، و نوشتۂ نجات بن کر نازل ہوئی (۳۴)۔

اللہ رب العالمین کے فرستادہ نبی، برگزیدہ رسول، ہادیٔ کائنات اور پیغمبر انسانیت ہونے کی حیثیت سے ختم الرسل ﷺ کا فرض منصبی تھا کہ:۔

(i) تبلیغ دین اور ابلاغ حق فرمائیں (۳۵)۔ اور اللہ نے جو پیغام عطا فرمایا ہے اسے من وعن بندگانِ خدا تک پہنچا کر حق امانت ادا کریں۔

(ii) تلاوت آیات، تعلیم کتاب و حکمت، تزکیۂ نفوس و قلوب (۳۶)، اور تفسیر و تشریح کتاب فرمائیں (۳۷)۔

(iii) جو سعید روحیں پیغام حق کو قبول کریں، انہیں فوز و فلاح کی بشارت سنائیں، اور جو شقی القلب دعوت ربانی کو ٹھکرانے پر تُل جائیں انہیں اخروی نتائج اور انجام بد سے ڈرائیں (۳۸)۔

(iv) جہدِ مسلسل اور سعی پیہم سے دینِ حق کو دنیا میں غالب فرمائیں (۳۹)۔

(v) لوگوں کے معاملات کا فیصلہ وحیٔ الٰہی کی روشنی میں فرمائیں اور انہیں عدل اور قسط پر قائم فرمائیں (۴۰)۔

حضور سید عالم ﷺ نے اپنے فرائض منصبی کو پورے اخلاص للّٰہیت، محبت و شفقت، رافت و رحمت، اور رجاں گدازی و جاں سپاری کے ساتھ ادا فرمایا (۴۱) اور اہل عالم کے سامنے سیرت کا ایسا نمونۂ کامل پیش فرمایا (۴۲) کہ بالآخر حجت تمام ہوگئی (۴۳)۔ اور پھر تقریباً تیئیس سال کی کمر توڑ مشکلات

(۴۴) صبر آزما حالات، اور نا قابل تصور مصائب کے علی الرغم، صبر و استقلال ختم المرسلین اور اولوالعزمیٰ رحمۃ للعالمین کے نتیجے میں (۴۵) ہر قسم کے (سیاسی، معاشرتی اور معاشی) ظلم و استحصال سے پاک (عدل و احسان پرمبنی) ایک ایسا ماحول، ایسا معاشرہ قائم ہوگیا، جو پوری تاریخ انسانیت میں مثالی حیثیت رکھتا ہے (۴۶)۔ اور ایک ایسی ریاست وجود میں آگئی جو دس سال کے انتہائی مختصر عرصے میں عرب کی وسعتوں پر چھا گئی اور اس میں رہنے والے باشندے دین و دنیا کی برکتوں سے متمتع ہونے لگے (۴۷)۔

اور اس کے ساتھ ہی وہ وقت بھی آگیا کہ دین حق غالب ہوا (۴۸)۔ اسلام کا بول بالا ہوا۔ اسلامی معاش، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر مکمل ہوئی، باطل قوتیں مغلوب ہوئیں اور سیدالمرسلین، محبوب رب العالمین کا مقدس مشن (۴۹) بھی پورا ہوا جو ان حضرات انقیاء پر علی سبیل الانفراد مقرر ہوا تھا اتمام و اکمال سے ہمکنار ہوا (۵۰)

بالآخر وہ منزل آگئی جبکہ ہادی و رہبر سید و سرور خاص پیغمبر ﷺ نے حجۃ الوداع کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک کا عظیم الشان سفر ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۰ ہجری مطابق فروری، مارچ ۶۳۲ء میں اختیار فرمایا۔ یہی آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اور اسی یادگار حج کے دوران آپ نے وہ مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جو نہ صرف یہ کہ تاریخ رسالت و نبوت میں بلکہ تاریخ انسانی میں بھی انقلاب آفریں حیثیت رکھتا ہے۔ اور جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے زبان زد خاص و عام ہے لیکن اسے بجا طور پر ایک حقیقی خطبۂ انقلاب کہا جاسکتا ہے۔

﴿۲﴾

حجۃ الوداع کے مقدس، یادگار اور تاریخی سفر، اس کی منازل اور تفصیلی روئیداد سے اگرچہ ہمارے موضوع کا براہِ راست تعلق نہیں ہے۔ تاہم تبرکاً و تیمناً اس کا انتہائی مختصر بیان مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح آپ ﷺ کے خطبۂ جلیلہ کے موقع و محل کو سمجھنا مزید آسان ہوگا۔ (ضمیمہ ۱)

اکثر مؤرخین اور اصحاب سیر کے بیان کی مطابق حجۃ الوداع کے مبارک سفر کے لئے سرو بو دنیاو دیں، حضور رحمۃ للعالمین مدینہ منورہ سے ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ بمطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء کو (اکثر روایات کے لحاظ سے بعد نماز ظہر) روانہ ہوئے (۵۱)۔ وہ ہفتے کا دن تھا۔ مدینہ طیبہ سے کچھ ہی فاصلے (تقریباً ۶ میل / ۹ کلومیٹر) پر واقع (میقات اہل مدینہ) ذی الحلیفہ پہنچ کر فروکش ہوئے۔ دوسرے دن اتوار، ۲۶/ ذی

قعد ،۲۳ رفروری کواحرام زیب تن فرمایا، قصواء پر تشریف فرمائے ہوئے اور ہزاروں جانثاروں کے جلو میں تکبیر و تہلیل اور تلبیے کی صداؤں کے ساتھ آگے سفر شروع فرمایا۔ یہاں تک کہ مختلف منزلوں ملل، روحاء، اثایہ، العرج، ابواء، عسفان، مرالظہر ان، سرف اور ذی طوی سے ہوتے ہوئے بالآخر حرم مکہ کی بالائی جانب (کداء) سے نزول اجلال فرمایا (۵۲)۔ (چنانچہ تمام مصنفین کا اس پر اتفاق ہے کہ) مکہ معظمہ میں داخلہ ۴ ذی الحجہ ۱۰ھ (۲ مارچ ۶۳۲ء) بروز اتوار ہوا (۵۳)۔

مکہ معظمہ میں تقریباً چار دن قیام فرمانے کے بعد فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جمعرات ۸ ذی الحجہ ۱۰ھ (یوم الترویہ/ ۸ مارچ ۶۳۲ء) کو منیٰ کے لئے روانہ ہوئے، جہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، پھر شب میں وہیں اقامت اختیار فرمائی۔ نماز فجر اور طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے (۹ ذی الحجہ/ ۷ مارچ) روانہ ہوکر پہلے نمرہ میں قدم رنجہ فرمایا اور پھر عرفات میں وقوف فرمایا۔ پھر اسی دن (یوم عرفہ) زوالِ آفتاب کے بعد قصواء پر رونق افروز ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا۔ ظہر و عصر کی قصر نمازوں، تکبیر و تلبیہ، دعاؤں اور غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، کچھ دیر استراحت کے بعد طلوع فجر کے ساتھ ہی نماز (فجر) ادا فرما کر طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہوکر مشعر الحرام اور پھر وادی محسر سے بعجلت گذرتے ہوئے ۱۰ ذی الحجہ (۸ مارچ/ یوم النحر) کو منیٰ میں جمرۂ کبریٰ (عقبہ) کے پاس تشریف لائے۔ رمیٔ جمار، قربانی، اور حلق (راس) کے بعد طواف افاضہ کے لئے مکہ معظمہ کو یُمن قدم سے نہال کیا اور پھر منیٰ کی طرف مراجعت فرمائی۔ نیز منیٰ میں یوم النحر کو بھی خطاب فرمایا۔ اور غالباً ایام تشریق (۱۱،۱۲ ذی الحجہ/ ۹،۱۰ مارچ/ اتوار، پیر) میں بھی خطاب فرمایا۔ ۱۳ ذی الحجہ (۱۱ مارچ/ منگل) کو زوال تک قیام اور رمیٔ جمرات کے بعد وادیٔ محصب میں توقف فرماتے ہوئے ۱۴ ذی الحجہ (۱۲ مارچ/ بدھ) کو طواف وداع کے لئے پھر کعبۃ اللہ میں جلوہ فرما ہوئے۔ اور یوں نہ صرف یہ کہ فریضۂ حج کی تکمیل ہوگئی۔ بلکہ اس طرح آپ ﷺ قیامت تک کے لئے مناسک حج و عمرہ کی تعلیم امت کو عطا فرما گئے (۵۴)۔

﴿۳﴾

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے ایک لمحہ ٹھہر کر ذرا یہ غور فرمالیجئے کہ وہ وقت، وہ زمانہ اور موقع و محل کیا تھا اور نقشۂ عالم پر تہذیبی، تمدنی، مذہبی اور سیاسی حوالے سے کن علاقوں کو کیا اہمیت حاصل تھی۔

یہ واضح ہے کہ آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے جبکہ پیغمبر انسانیت ﷺ نے اپنا خطبۂ انقلاب

ارشاد فرمایا تھا۔اس وقت کی آباد دنیا بہر حال آج کل کی طرح وسیع نہ تھی۔امریکہ کے دونوں براعظم ہنوز گوشہ گمنامی میں تھے۔آسٹریلیا دریافت نہ ہوا تھا۔افریقہ کے بڑے حصے پر آفتاب تمدن کی روشنی نہ پہنچ سکی تھی،ایشیا و یورپ کے انتہائی شمالی علاقے اجاڑ او رغیر آباد تھے۔ہاں البتہ عرب،چین،ہندوستان، ایران،عراق،شام،مصر،مغرب اقصیٰ،حبشہ،یونان،اطالیہ،فرانس،اسپین،جنوبی روس،بحیرۂ بالٹک کا مشرقی اور جنوبی حصہ، جٹ لینڈ،اسکینڈے نیویا،اور برطانیہ وغیرہ میں اگر چہ تہذیب وتمدن کی روشنی موجود تھی مگر کہیں تیز کہیں مدہم۔یعنی یہ ظاہر ہے کہ ہر جگہ نہ تہذیبی وتمدنی ترقی یکساں ہوئی تھی نہ سیاست، مذہب اور اخلاق و معاشرت کا حال ایک جیسا تھا۔مجموعی طور پر اس زمانے کے فرمانرواؤں،سلطنتوں،اور حالات کا خلاصہ ذیل میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:۔

☆ چین:

چین میں تانگ خاندان برسر اقتدار تھا جس کا بانی اور پہلا فرمانروا اگر چہ جنرل لی یوآن تھا جو ۶۲۷ء تک حکمران رہا لیکن اس وقت جبکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا خطبۂ انقلاب معمورۂ عالم میں گونجا،وہاں تائی شنگ (TAITSUNG) برسر اقتدار تھا۔جس نے ۶۲۷ء سے ۶۴۹ء تک حکومت کی۔اسی کے زمانے میں آنحضرت ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔اس کا زمانۂ حکومت اگر چہ سیاسی اور تمدنی لحاظ سے کامیاب رہا لیکن بدھ مت کے دینی مذہبی اور اخلاقی انحطاط کو وہ بھی نہ روک سکا۔

☆ کمبوڈیا:

کمبوڈیا وغیرہ میں کھمیر خاندان برسر حکومت تھا۔جس کا دور ۶۰۶ء سے ۱۳۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دوران اگر چہ علاقائی تمدن پھولا پھلا لیکن اصنام پرستی کے سبب مذہبی،اخلاقی حالت بہت پست رہی اور انسانیت ذلیل وخوار۔

☆ ہندوستان:

ہندوستان میں ہندو دور کا آخری عظیم فرمانروا ہرش وردھن تھا جو ۶۰۶ء میں تخت نشین ہوا اور ۶۴۷ء تک حکومت کرتا رہا۔اس کی حدودِ سلطنت میں دو مذاہب یعنی ہندو مت اور بدھ مت کا زور تھا مگر دونوں روبہ زوال تھے اور دونوں کی صورت مسخ ہو چکی تھی۔

☆ ایران:

ایران میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ خسرو پرویز (جس نے ہادیٔ عالم ﷺ کے نامۂ مبارک کو از روئے گستاخی چاک کر ڈالا تھا) کے قتل (۶۲۸ء/۷ھ) کے بعد سے ۶۳۲ء تک (یعنی جبکہ آپ ﷺ نے اپنا خطبۂ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا) بارہ حکمرانوں نے لیلیٰ اقتدار کو گلے لگایا۔ اس زمانے کا ایران، سیاسی، مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے زوال و پستی کا عبرتناک منظر پیش کرتا ہے۔

☆ سلطنت رومہ:

سلطنت رومہ پر اس وقت ہرقل اعظم (۶۱۰ء تا ۶۴۱ء) برسر اقتدار تھا۔ اور مصر و حبشہ، تیونس، طرابلس وغیرہ سلطنت رومہ کے صوبے تھے۔

☆ فرانس:

فرانس میں یہ زمانہ شاہِ فرانس ڈگوبرٹ اول (۶۲۸ء تا ۶۳۹ء) کا تھا۔ جس کے فوراً بعد ہی شاہی خاندان کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ عیسائیت کا شیوع اس وقت وہاں ہو چکا تھا۔

☆ اطالیہ:

اطالیہ پر مغربی قوط (Goth) کا حکمراں سابرٹ تھا جو یہودیوں پر مظالم کے لئے مشہور رہا۔

☆ جزائر برطانیہ:

جزائر برطانیہ میں اس وقت اینگلوسیکسن قبائل کا فرمانروا شاہ ایڈون (۶۱۶ء تا ۶۳۳ء) تھا۔ اس وقت تہذیبی و تمدنی اعتبار سے انگریز قوم بہت پسماندہ تھی اور اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ میں نیم وحشی قبائل کا تسلط تھا۔ جو اکثر و بیشتر انگلستان پر حملہ آور ہوتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔

☆ یورپ:

یورپ کے دیگر علاقوں میں نیم وحشی، نیم مہذب قبائل (مثلاً نارمین، سوئیڈس، فریشنس، سلاوی، آوارامگیار وغیرہ) کا بہت عمل دخل تھا جو زیادہ تر اصنام پرست تھے۔

☆ الجیریا اور مراکش:

الجیریا اور مراکش میں بربر آباد تھے اور وہ بھی اصنام پرست تھے (۵۵)۔

یہ ہے وہ مختصر سا عالمی تاریخی پس منظر جو ظاہر کرتا ہے کہ جس زمانہ میں پیغمبر انسانیت ﷺ نے اپنا خطبۂ حجۃ الوداع یعنی پہلا انسانی عالمی منشور ارشاد فرما کر بنی نوع انسان کو زندگی کی اعلیٰ ترین رفعتوں سے ہمکنار فرمایا، وہ اس کا بہترین اور مناسب ترین موقع تھا۔ کیونکہ دنیا میں خشکی وتری ہر جگہ فسادی فساد بپا تھا (۵۶)۔ انسانیت قعر مذلت کے کنارے کھڑی تھی (۵۷)۔ اور رچا ردا تنگ عالم کی فضائے بسیط میں کہیں کوئی زندگی آمیز و زندگی آموز پکار، کوئی حیات بخش و حیات افزا پیغام نہ گونجا تھا (۵۸)۔ کہیں کوئی منشور انسانیت، کوئی فرمان آدمیت، کوئی نوشتۂ نجات، کوئی چارٹر موجود نہ تھا۔

﴿۴﴾

ہادیٔ انس و جاں، رسولِ آخر الزماں، رؤف و رحیم، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خطبۂ حجۃ الوداع کی نوعیت و معنویت پر غور کرنے سے چند نکات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

(i) ابلاغِ حق کا نقطۂ کمال:

نبوت و رسالت کا بنیادی تقاضا و فرض منصبی بہر حال ابلاغ پیغام ربانی ہے۔ (ماعلیٰ الرسول إلا البلاغ) (۵۹) ہر نبی و رسول کی مساعی حسنہ کا تمام تر ہدف تبلیغ و تلقین حق ہے۔ اس اعتبار سے خطبۂ حجۃ الوداع کی صورت میں آنحضرت ﷺ نے بحیثیت رسول ابلاغ حق کو اس نقطۂ کمال تک پہنچا دیا جس سے آگے کوئی حدِ کمال نہیں۔ کہ تفویض رسالت میں تبلیغ و ترسیل دعوت کا جو فرض پنہاں تھا: یٰـاَیُّهَـا الـرَّسُـوْلُ بَلِّغْ مَـآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِـنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ. (۶۰) اور جس کا علی الاعلان آغاز مکۃ المکرمہ (میں خطبۂ کوہِ صفا) سے ہوا تھا (۶۱)۔ اس کا اکمال و اتمام بھی اُسی سرزمین پر (جبل الرحمۃ/عرفات/منیٰ/یعنی مضافات مکۃ المکرمۃ میں ہی ۶۲) اس وقت خطبۂ حجۃ الوداع پر ہو رہا تھا۔ یہی وہ موقع تھا جبکہ کم از کم لاکھ سوا لاکھ بندگانِ خدا کے مجمعٔ عام (۶۳) سے حضور سرورِ عالم ﷺ نے بار بار استفسار فرمایا تھا کہ بتاؤ؟ کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟ (الا هـل بلغتُ؟) (۶۴) تو تمام انسانوں، تمام مسلمانوں، تمام حاضرین نے بہ یک آواز بہ یک دل، بہ یک زبان، بہ یک وقت اقرار کیا تھا کہ ہاں بے شک! ہم اس کی شہادت یقیناً دیں گے کہ آپ ﷺ نے (اللہ کی) امانت

not

(دین ہم تک من وعن) پہنچادی اور نبوت ورسالت کا حق ادا فرمادیا۔ **اشهد انک قد اديت الامانة و بلغت الرسالة و نصحت.** (۶۵)

حیاتِ رسول ﷺ میں (حجۃ الوداع کے موقع پر) ابلاغِ حق کا یہ درجۂ کمال یکا یک نہیں آیا۔ اس کے پیچھے دراصل ۲۳ سالہ داعیانہ مبلغانہ پیغمبرانہ مساعی کا تسلسل موجود ہے۔ جس کا آغاز اسی وقت سے ہوگیا تھا جبکہ آپ ﷺ کو کارِ نبوت ورسالت پر فائز کیا گیا۔ اور آپ ﷺ نے تمام تر موانعات ومشکلات کے علی الرغم، پورے صبر وثبات، انتہائی عزم واستقلال سے اس منصب کے تقاضوں کو پورا فرمایا، اور پیغامِ خداوندی کو بندگانِ خدا تک پہنچانے کے لئے (وحیِ الٰہی، **اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ** (۶۶) کے مطابق) تبلیغ وترسیل (Communication) کا ہر وہ معروف واحسن ذریعہ/وسیلہ اور طریقۂ کار (Mechanism) استعمال، اختیار فرمایا جو تبیینِ کلامِ الٰہی اور ابلاغِ پیغامِ ربانی میں، ہر سامع و ناظر اور ہر مخاطب، حاضر وغائب کے دل پر دستک دے سکے تا کہ اس کے ذہن میں شک وریب کا کوئی کانٹا اور ابہام واشکال کا کوئی رخنہ، باقی نہ رہنے پائے۔ یہاں حوالوں اور مثالوں کا تو موقع نہیں لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ داعیٔ اعظم ﷺ نے فرد واجتماع سے رابطے کی تمام شکلوں اور تعلیم وتعلم کی تمام صورتوں کو اختیار فرمایا۔ یہاں تک کہ نطق وبیان، خطبہ وتقریر، وعظ وتلقین، حکمت وموعظت، پند ونصیحت، مذاکرہ ووصیت، تعلیم وتدریس، تشریح وتسہیل، رمز واشارہ تفسیر وکنایے کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے بہ حدِ کمال اسوۂ رحمۃ للعالمینی میں نہ دیکھا جاسکے۔

عہدِ جدید میں علوم وفنونِ ابلاغِ عامہ کے حوالے سے یہ بات مسلّمات میں داخل ہے کہ ابلاغ کے پورے عمل کا مدار کلیتہً انسانی رویے (Human behaviour) پر ہوتا ہے۔ نیز ابلاغِ عامہ (Mass Communication) کے دوران تبلیغ وترسیل کے طریقوں وذرائع سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی پیغام، دعوت، مدعا، مضمون، نقش خاکہ کتنا معنی خیز، کیسا سریع الاثر اور کس درجہ نتائج افروز ہے (۶۷) اس جہت سے بھی سیرتِ مبارکہ ومطہرہ کا مطالعہ اجالا بخشتا ہے۔ چونکہ انسانی رویے کے ہمہ جہتی حسن کے حوالے سے حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ (**وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ** (۶۸) کی رو سے) اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز تھے۔ اور آپ ہر مرحلے، ہر لمحۂ زندگی میں حسنِ قول وعمل کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے بدترین دشمنوں کے دل بھی فتح کرتے رہے۔ (حالانکہ عام حالات میں دشمنوں تک کسی بات کی رسائی تقریباً ناممکن ہے)۔ **وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ** O

not

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ O (۶۹) اس لئے ظاہر ہے کہ ابلاغ حق کا کامل ترین نمونہ بھی گویا آپ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ ہی کے ہاتھوں متشکل ہوا۔ آپ ﷺ کا پیغام واقعتاً اتنا ہی معنی خیز، اس درجہ سریع الاثر، اور ایسا نتائج افروز ثابت ہوا جس کے اثرات وثمرات کو دنیا بچشم حیرت حجۃ الوداع میں دیکھ رہی تھی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابلاغ حق کے لئے آپ ﷺ کی شبانہ روز کوششوں کے خاطر خواہ مثبت نتائج حجۃ الوداع سے پہلے ہی نظر آنے لگے تھے۔ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد عامۃ الناس کا قبولِ اسلام (یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ، ۷۰) پھر غزوۂ تبوک (۹ھ) کے بعد عام الوفود (۹ھ میں) اطراف واکناف عرب سے لوگوں کا (اظہار اطاعت، استفسار، تعلیم، توضیح اور تبلیغ کے لئے) خدمت نبوی ﷺ میں آنا اور پھر ۱۰ھ میں (خطبۂ حجۃ الوداع سے پہلے حضور ﷺ کے صاحبزادے ابراہیمؓ کے انتقال کے بعد ایک خطبے کے دوران) لوگوں کا یہ صاف اقرار کہ:

نشھد انک قد بلغت رسالاتِ ربک و نصحت لامتک و قضیت الذی علیک. (۷۱)

ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا پیغام بلا کم وکاست ہم تک پہنچا دیا امت کو نصیحت سے سرفراز فرما دیا اور اپنا فرض کما حقہٗ ادا فرما دیا۔

ثابت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے فرضِ منصبی کو نہ صرف یہ کہ وقت مقررہ پر ٹھیک ٹھیک ادا فرما دیا تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ابلاغ حق اپنے درجۂ تمام وکمال تک آپ ﷺ کے اپنے عہد مبارک میں ہی پہنچ گیا تھا۔ پھر حجۃ الوداع میں یہ کمالِ ابلاغ بہ درجۂ غایت اس طرح موکد و محقق ہو گیا کہ ہر شریک بزم، ہر حاضر و ناظر ہر سامع ومخاطب، کھڑے بیٹھے ہر حال میں ہر جگہ، خطبۂ رسالت مآب ﷺ کے ہر ہر لفظ کو سن رہا تھا (۷۲) بلکہ گویا حرف حرف گن رہا تھا، یہاں تک کہ ہر زبان، دل نے ابلاغ حق کی گواہی دی اور وحیٔ الٰہی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (۷۳) کا نزول ساتھ ساتھ ہوا۔

لیکن ایک اور جہت سے ابلاغ حق کا کمال کا کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے عالمی ابدی پیغام کو فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ کے طلسمی ابلاغی الفاظ میں مقید میں کر کے ایک نغمۂ سرمدی کی صورت میں ڈھال دیا، گویا آنے والا ہر زمانہ خطیب عصر، خطیب زماں، سرورِ کون و مکان ﷺ کی

not

دسترس میں یوں ہے کہ ابلاغی تسلسل کبھی بھی منقطع نہیں ہوسکتا۔اوراس بات کا ثبوت ہے کہ صلاح وفلاح بشر کا وہ آخری پیغام پوری انسانیت کے لئے تھا اور ہر زمانے کی بنیادی ضرورت تھا۔خطبۂ جلیلہ میں آپ ﷺ نے خودہی فرما دیا تھا:

الا! کل نبی قد مضت دعوتہٗ اِلّا دعوتی فانّی قدذخرتھا عند ربّی الی یوم القیامۃ. (۷۴)

اورشاید یہی وہ موقع تھا جبکہ عہدنامۂ قدیم میں درج یہ الفاظ حقیقت کا روپ دھار رہے تھے کہ:

> خداوندفرماتا ہے کہ میری روح جو تجھ پر ہےاورمیری باتیں جو میں نے تیرے منہ میں ڈالی ہیں،تیرے منہ سےاورتیری نسل کے منہ سے،اب سے لے کرابد تک جاتی نہ رہیں گی،خداوندکا یہی ارشاد ہے۔(۷۵)

(ii)تعمیرحیات کاعملی خاکہ:

حضورسیدالانبیاومرسلین ﷺ کاخطبۂ حجۃ الوداع ہرقسم کے منفی رجحان سے ماورا خالص مثبت روئے اوراصولی تعلیمات کا مظہر تھا۔اسلام جس دعوت وتعلیم کا مدعی ہے اس کا عملی نمونہ تو اس زمین پر جیتے جاگتے انسانوں کے درمیان پہلے ہی قائم کیا جاچکا تھا،البتہ اتمام حجت کی خاطراورابلاغ حق کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ اس وقت سے ۲۳ سال پہلے صفا کے پہاڑی وعظ سے جس عالمی دعوت کا آغاز کیا گیا تھا۔اس لئے اسے اتمام واکمال کی منزل پر پہنچاتے ہوئے چندفقروں،چند باتوں کی صورت میں اسی سرزمین پرکوہ عرفات کے دامن سے آخری بارپھرنشر کردیا جائے اوراس دین کی مبادیات واساسیات کا احاطہ کردیا جائے جس کی تبلیغ واشاعت کے آپ مکلّف بنائے گئے تھے۔یہ رعایت بھی تھی کہ اسلام کے سیاسی،سماجی،مذہبی،معاشی اورثقافتی نظام کی ان اقدارکوواضح کردیا جائے جوآئندہ آنے والے زمانوں میں کارفرمائی کی مستحق تھیں اورجن کی تعمیل میں ہی انسانیت کی نجات مضمرتھی۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں زبانِ وحی ترجمان سے جو کچھ ارشاد ہوا اس کے بارے میں اس حقیقت کاادراک بہت ضروری ہے کہ وہ محض منصوبے،خیالی باتیں،واعظانہ موشگافیاں،آئندہ کا پروگرام،یا خواہشات وتوقعات یا صرف تجاویز یا سفارشات قسم کی چیز نہ تھا،بلکہ دین الٰہی کا عملی،تاریخی،تعمیری خاکہ اور دین شریعت کی تقریب تکمیل تھی،جس کا اعلان فاطرالسماوات والارض نے ان الفاظ کی گونج میں فرمایا کہ:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (۷۶)

اس نکتہ کی اہمیت ومعنویت ان لوگوں کے ذہنوں میں زیادہ اجاگر ہو سکے گی جو یہ جانتے ہیں کہ عصر حاضر کی وہ دستاویز جو حقوق انسانی کی نقیب سمجھی جاتی ہے اور جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو منظور کیا تھا تجویز و سفارش سے زیادہ اہمیت نہیں تھی اور کسی مملکت کے لئے Universal Declaration of Human Rights کا تسلیم کرنا لازمی ولابدی نہیں ہے (۷۷) (ضمیمہ ۲)۔ ایک مصنف کے بقول "یہ منشور تحفظ حقوق انسانی کے معاملے میں بالکل ناکارہ اور ناقابل اعتماد دستاویز ہے...... اس منشور کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے، قانونی نقطۂ نظر سے اس کا کوئی وزن و مقام نہیں (۷۸)۔ اس منشور کی رو سے جو معاشی اور سماجی حقوق منظور کئے گئے ہیں وہ ایک بالغ نظر مبصر کے مطابق، اس اصطلاح کے تسلیم شدہ مفہوم کی رو سے حقوق ہی نہیں ہیں، یہ تو سماجی اور معاشی پالیسیوں کے محض اصول ہیں۔ (۷۹) بلکہ کمیشن برائے انسانی حقوق میں ۱۹۴۷ء کو طے کئے جانے والے اصول کی روشنی میں گویا منشور کے اعلان سے ایک سال قبل ہی یہ طے ہو گیا کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی کوئی ملک چاہے تو اس منشور پر از خود رضاکارانہ طور پر عملدرآمد کر سکتا ہے اور چاہے تو اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں بھی پھینک سکتا ہے۔ (۷۹/الف)

اس کے برعکس خطبۂ حجۃ الوداع میں "فرمودات نبوی عملی ترغیب اور حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ان سے سرتابی، ان کی نافرمانی نہ صرف یہ کہ صلاح وفلاح آدمیت وانسانیت میں حارج ہے بلکہ دین و دنیا دونوں میں نقصان وخسران کا باعث ہے۔ خطبۂ جلیلہ میں زندگی کے ان اصولوں کا دوٹوک بیان ہے جن پر تعمیر حیات کا اصل مدار ہے۔ اور جن کے بغیر شعوری زندگی کا کوئی نقشہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ خطبۂ مبارکہ میں ان تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے جو دراصل پورے دین حق کی زندگی وتابندگی کا ثبوت ہیں اور جن کو روبہ عمل لائے بغیر کسی کامیاب انسانی معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں۔

(iii) بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور:

خطبۂ حجۃ الوداع بنیادی انسانی حقوق کا ایسا عالمی منشور ہے، جو پیغمبر انسانیت محسن عالم ﷺ کی طرف سے جاری کیا گیا۔ سیدھا، صاف، سچا فرمان۔ اس منشور اعظم کا اجرا نہ کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ تھا نہ کسی وقتی جذبے کی پیداوار، یہ نہ کسی طبقہ یا گروہ کی طرف سے دباؤ یا دھونس، دھاندلی سے متاثر ہو کر جاری

کیا گیا ۔ نہ کسی حال واحوال کا تابع تھا نہ کسی معاہدے کی تکمیل ۔ یہ دراصل وہ خطبۂ انقلاب تھا جو ہر قسم کی انسانی ،حکومتی، سیاسی، معاشرتی ،معاشی یا معاہداتی منظوری سے بے نیاز وقت کی آواز بن کر گونجا اور تمام انسانوں کے حقوق کے محافظ و نگراں کی حیثیت سے ابھرا اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لئے قیامت تک کے لئے شرف آدمیت و احترام انسانیت کے چراغ روشن کر گیا ۔

ہمارا یہ بیان محض لفاظی یا عبارت آرائی قرار نہیں دیا جاسکتا اگر ہمارے سامنے عہد جدید میں بہت شہرت پانے والے اعلانات ،معاہدات، دستاویزات اور نوشتہ ہائے حقوق کی حقیقت و ماہیت آشکار ہوجائے ۔مثلاً آج کل انسانی حقوق اور آزادیوں کی بحث کا نقطۂ آغاز بالعموم ''میگنا کارٹا'' کو قرار دیا جاتا ہے ۔جبکہ یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ اس منشور کا اجرا شہنشاہ انگلستان (ہنری دوم کے بیٹے اور رچرڈ شیر دل کے بھائی) جان (۱۱۹۹ تا ۱۲۱۶ء) نے تیرھویں صدی عیسوی (جون ۱۲۱۵ء) میں کیا تھا (۸۰) اور وہ بھی کس طرح ؟ (۸۱) صریحاً سیاسی مصلحت کے تحت (۸۳) امرا کی بغاوت کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لے اور حالات کے وقتی حل کے لئے ''میگنا کارٹا'' جاری کیا گیا (۸۳/ضمیمہ۳) مطلب بالکل صاف ہے کہ اس میں کسی لحاظ سے ابدی، آفاقی ،انسانی ،عالمی پہلوؤں کی کارفرمائی موجود نہ تھی ۔اور چونکہ اس منشور کا اجرا برطانوی تاریخ کے ایک مخصوص زمانے مخصوص حالات میں مخصوص مقاصد کے پیش نظر ،محدود عرصے کے لئے ہوا تھا اس لئے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کی افادیت بہت حد تک محدود، عارضی، وقتی اور مقامی تھی ۔

علاوہ ازیں جس زمانے (جون ۱۲۱۵ء/۱۳ ویں صدی عیسوی) میں میگنا کارٹا کو جاری کیا گیا اس وقت تک مسلمانوں کی تاریخ سینکڑوں نشیب و فراز دیکھ چکی تھی اور اسلام کے عطا کردہ حقوق اور آزادیوں کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہو چکا تھا اور دنیا کے مختلف حصوں میں مندرجہ ذیل مسلمان حکمراں انسانی آزادیوں اور حقوق کی پاسداری کر رہے تھے (۸۴):

(i) خلافتِ عباسیۂ بغداد ۔خلیفہ ابوالعباس احمد بن مستضئی (ناصر لدین اللہ)(۵۷۵ تا ۶۲۲ ھ/ ۱۱۷۹ء تا ۱۲۲۵ء)

(ii) ایوبیہ مصر ۔ملک عادل سیف الدین ابو بکر بن ایوب (۵۹۶ تا ۶۱۵ ھ/ ۱۲۰۰ تا ۱۲۱۸ء)

(iii) موحدین اندلس ۔ابو عبداللہ محمد الملقب بہ ناصر (۵۹۵ تا ۶۱۰ ھ/ ۱۱۹۹ تا ۱۲۱۴ء)

سلطان ابو یعقوب الملقب بہ مستنصر (۶۱۰ تا ۶۲۰ ھ/ ۱۲۱۴ تا ۱۲۲۳ء)

(iv) خاندانِ غلاماں (ہندوستان) سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ تا ۶۲۳ ھ/ ۱۲۱۰ تا ۱۲۲۶ء)

not

ان حقائق کے پیش نظر بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میگنا کارٹا کی اولیت عالمی تاریخی پس منظر اور انسانی حقوق اور آزادیوں کے حوالے سے میزانِ عدل پر کیا وقعت رکھتی ہے؟

میگنا کارٹا کے اجرا پر پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گذرنے کے بعد فرانس کے اعلانِ حقوقِ انسانی و باشندگان (۱۷۸۹ء) نے بھی شہرت پائی۔ یہ اعلان ان تصورات کا نمایاں عکاس ہے جو انقلاب فرانس کے پس پشت کارفرما تھے (۸۵/ضمیمہ۴) کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا اعلان تھا جس نے آزادی کی شمع روشن کی (۸۶)۔ عہد جدید کی ایک اور اہم دستاویز امریکی نوشتۂ حقوق (Bill of Rights) مجریہ ۱۷۹۱ء ہے (۸۷)۔ جو فرانس کے اعلانِ حقوق انسانی کی طرح دستوریت اور قانونیت کی اعلیٰ مثال خیال کی جاتی ہے (۸۸/ضمیمہ۵)

اس تفصیل سے یہ مدعا واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی حقوق کے عالمی منشور ہونے کی اصل مصداق اگر کوئی دستاویز ہو سکتی ہے تو یہی خطبۂ حجۃ الوداع کی دستاویز ہے۔ اور اگر کوئی اعلان، منشور، دستور، نوشتہ بہ درجۂ آفاقیت، انسانی حقوق اور آزادیوں کی ضمانت بن سکتا ہے تو وہ بجز خطبۂ انقلاب، خطبۂ رسالت مآب ﷺ کوئی نہیں اور عرصۂ تاریخ میں اولیت کا تاج صرف خطبۂ حجۃ الوداع کو ہی پہنایا جا سکتا ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں دیئے گئے حقوق، ضمانتیں اور آزادیاں کسی مرد، ادارہ، کسی اجتماع، گروہ یا حکومت وسلطنت کی منظوری تائید و تجویز سے مشروط نہ تھیں بلکہ اللہ رب العالمین کی حاکمیت کے تحت حاصل کردہ اختیارات سے کام لیتے ہوئے ھادیٔ اعظم سرورِ عالم ﷺ جس منشورِ انسانیت کا اجراء فرما رہے تھے وہ اسی لمحے نافذ العمل ہو گیا اور قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کے لئے واجب الاذعان قرار پایا۔

(iv) انسانیت کے نام آخری پیغام:

یہ خطبہ (حجۃ الوداع) اللہ کے آخری رسول کا انسانیت کے نام آخری پیغام، آخری وصایا کی حیثیت رکھتا ہے، اس خطبۂ عظیم میں ان عظیم الشان اصولوں کا اعلان فرمایا گیا جو عالم انسانیت کی ہمیشہ رہنمائی کرتے رہیں گے (۸۹)۔

(v) زبانِ رسالت کی اعجاز آفرینی کا نادر نمونہ:

یہ خطبہ زبانِ رسالت مآب ﷺ کی اعجاز آفرینی کا نادر نمونہ ہے۔ جس میں بہ طرز ایجاز و

اطناب اور بہ کمال جامعیت، دین و مذہب اسلامی کا خلاصہ، تمدن و معاشرت کے اصولوں، نظامِ حیات کی اساسیات، اجتماعی زندگی کی بنیادوں اور اصول و معنوی اقدار کا روشن بیان موجود ہے۔

اسناد، حوالے، حواشی

۱۔ ہدایت، انسان کی روحانی، باطنی ضرورت ہے۔ جس کا اہتمام اللہ رب العالمین نے آدمؑ کے ہبوطِ ارضی کے ساتھ ساتھ فرمایا۔ جس طرح مادی ضروریات کی تسکین کا سامان ماقبل تخلیق فرمادیا تھا۔ (جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیات (۲۱ تا ۳۹) سے متفرع ہوتا ہے)۔ حضرت آدمؑ کو دنیا میں بھیجتے وقت اور ان کے توسط سے ان کی ذریت کو یہ فہمائش کردی گئی کہ جب بھی اللہ (احکم الحاکمین) کی طرف سے کوئی ہدایت (ھُــدًی) ان تک پہنچے تو اس کی پیروی (ان کے لئے) موجب فوز و فلاح ٹھہرے گی جبکہ (اس ہدایت سے) روگردانی نقصان و خسران پر منتج ہوگی۔ (دیکھئے البقرۃ/آیات ۳۸، ۳۹) شرعاً ہدایت (ھدی کتاب و رسول سے عبارت ہے چنانچہ تقریباً تمام مفسرین (سلف و خلف) نے یہاں ھُــــدی کی تعبیر **کتابٌ و رسولٌ** تسلیم کی ہے۔ مثلاً البیضاوی تفسیر (**انوار التنزیل مع جلالین بالھامش**) مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۱ء/ ج ۱/ ص ۴۷، نیز الفیروز آبادی (تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس) مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۱/ ص ۶، نیز الطبری، تفسیر ابن جریر اردو، مطبوع بیت الحکمۃ۔ دیوبند۔ مقدمہ مرقومہ ۱۳۸۲ھ/ ج ۱/ ص ۴۴) نیز النسفی (تفسیر مدارک اردو، مطبوعہ خضر راہ بک ڈپو، دیوبند۔ ت، ط، ن) ج ۱/ ص ۴۰، ۴۱ وغیرہ۔ مشہور برطانوی مستشرق E.H.PALMER (پامر) نے ھدی کا انگریزی میں ترجمہ GUIDANCE کیا ہے۔ جو صحیح ہے دیکھئے: THE KORAN۔ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۵۱ء/ ص ۵۔

۲۔ بادی النظر میں نبی اور رسول میں فرق نہیں۔ دونوں کا تقرر بارگاہِ احدیت سے ہوتا ہے دونوں کو وحی و الہام سے نوازا جاتا ہے۔ تاہم اصطلاحی طور پر نبوت و رسالت میں فرق ہے (**وقیل ھما مفترقان**) رسول، کتاب، صحیفہ، شریعت کا حامل ہوتا ہے جبکہ نبی نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر رسول نبی ہی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ ہدایت انسانی کے لئے آنے والے انبیا و رسل کا یقینی شمار ممکن نہیں۔ البتہ ایک روایت کے مطابق کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے تقریباً تین سو تیس شرفِ رسالت سے متمتع ہوئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: عیاض، القاضی ابی الفضل، **الیحصبی الاندلسی**، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ۔ مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۰ء/ ج ۱/ ص ۱۶۱)

۳۔ پہلے نبی و رسول حضرت آدم علیہ السلام اور آخری حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔ (ایضاً)

۴۔ سورۃ الحجر، آیت ۱

۵۔ سورۃ النمل، آیت ۲

۶۔ سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

۷۔ سورۃ النحل، آیت ۳۶

۸۔ سورۃ مریم، آیت ۵۸

۹۔ سورۃ انعام، آیت ۸۴

۱۰۔ سورۃ النمل، آیت ۵۹

۱۱۔ سورۃ ص، آیت ۴۷

۱۲۔ سورۃ فاطر، آیت ۳۲

۱۳۔ سورۃ ص، آیت ۴۸

۱۴۔ سورۃ آل عمران، آیت ۸۴۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۳۶

۱۵۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۵

۱۶۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۳ (**تلک الرسل فضّلنا بعضهم علیٰ بعض**)

۱۷۔ آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیا و رسل کے درمیان اور باتوں کے علاوہ بقول قاضی عیاض ایک فرق یہ بھی ہے کہ **وساۂ معجزا الرُّسل انقرضتْ بانقراضهم وعُدمت بعدم ذواتها ومعجزة نبینا صلی اللہ علیه وسلم لا تبید ولا تنقطع وآیاته تتجدد ولا تضمحل.** دیکھئے (الشفا/ ج/ ص ۳۳۶)

۱۸۔ گیلانی، مولانا سید مناظر احسن صاحب۔ النبی الخاتم ﷺ۔ احسن برادرز، لاہور ۱۹۶۴ء/ ص ۱۳

۱۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات وخصوصیات اور دلائل وکرامات پر علمائے سلف میں سے غالباً مفصل ترین اور مستقل تصنیف علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ (م/ ۵۴۴ھ) کی الشفا ہے۔ بعد میں علامہ زرقانی (م/۱۱۲۲ھ) نے المواہب (للقسطلانی / م ۹۲۳ھ) کی شرح میں بڑی تفصیل سے کام لیا ہے۔ (چنانچہ کتاب فی المعجزات والخصائص (ص ۲ تا ۲۶۲) مذکور ہے) ملاحظہ ہو: (شرح الزرقانی المالکی علی المواہب اللدنیہ۔ المطبعۃ الازہریۃ المصریۃ۔ ۱۳۲۶ھ/ الجزء الخامس)۔ جبکہ اردو میں علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری نے اپنی مشہور کتاب رحمۃ للعالمین (مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۲ء) کی جلد سوم میں باب اول (ص ۱۳ تا ۱۷۲) اسی موضوع کے لئے مختص کیا ہے۔

۲۰۔ الفرقان (۱) علامہ ابن کثیر (م/ ۷۷۴ھ) نے اس آیت کے تحت دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ (۱) **بعثت الی الاحمر و الاسود**۔ اور (ب) **انی اعطیت خمسا لم یعطهن احد من الانبیاء قبلی......الخ** دیکھئے: (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم۔ دار الاندلس۔ بیروت ۱۹۶۶ء/ ج ۵/ ص ۱۳۴) اور علامہ بیضاوی نے (**للعالمین**) کے معنی (**للجن والانس**) لکھے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر/ ج ۲/ ص ۱۰۹) اور تفسیر جلالین کے تشریحی الفاظ بھی تقریباً یہی ہیں (**ای الانس و الجن دون الملائکة**) ایضاً بالهامش۔

۲۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: قاضی عیاض (الشفا/ ج/ص۳۶، ۳۷)

۲۲۔ النسآء (۷۹)

۲۳۔ ابن کثیر اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں (ای الی الجمیع الخلائق من المکلفین کقولہ تبارک وتعالیٰ......الخ ۔(ج۵/ص۵۵۳) پھر اسی سلسلے میں متعدد احادیث اور اقوال بھی نقل کئے ہیں ۔مثلاً قال قتادۃ فی ھذہ الآیۃ: ارسل اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی العرب والعجم (ایضاً))

۲۴۔ الاعراف (۱۵۸)

۲۵۔ دیکھئے قاضی عیاض (ج،۱/ص۱۰۰،۱۰۱)

۲۶۔ صحیح البخاری ۔مطبوعہ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ ۔مصر، قاہرہ ۱۹۵۸ء/ ج/ص۱۱۹

۲۷۔ صحیح مسلم ۔مطبوعہ اصح المطابع، نور محمد کارخانہ تجارت کتب ۔دہلی ۱۹۳۰ء/ جلد ا/ص۱۹۹

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں (کتاب فی المعجزات والخصائص /المقصد الرابع/ فصل الثانی / القسم الرابع / و منھا انہ اوتی جوامع الکلم و منھا انہ بعث إلی الناس کـآفۃ) کے تحت بحث واستدلال کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسالت آدم اولاد کے لئے بمعولہ تربیت وارشاد تھی تا کہ کافر نہ ہوجائے ۔یہی نوعیت رسالت ادریس کی تھی جبکہ متعدد قرآنی آیات کے مطابق حضرت نوح کی بعثت ان کی اپنی قوم کی طرف ہوئی ،علامہ زرقانی کے نزدیک حضرت نوح کی دعا (بددعا) میں (لاتذر علی الارض) کے حوالے یا ان کی بعثت میں (إلی اھل الارض) کے حوالوں سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت نوح کی بعثت تمام دنیا کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ہوئی تھی، یہ حوالے صرف ثابت کرتے ہیں کہ حضرت نوح (طوفان کے بعد اپنی قوم کے لئے) پہلے رسول تھے ۔کیونکہ ان ہی کے دور میں دوسرے رسولوں کو دوسری قوموں میں مبعوث کیا گیا ۔(تفصیل کے لئے دیکھئے: ج۵/ص۲۶۱،۲۶۲) تاریخی طور پر بھی حضرت نوح کا زمانہ اور قوم نوح کا علاقہ مذہبی و علمی حلقوں میں معلوم ومعروف ہے جس سے ان کی رسالت کی عالمگیریت کلیتاً ثابت نہیں ہوتی ۔

۲۹۔ سورۃ الروم (۴۷)

۳۰۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات وسیرت کے جو حوالے قرآن میں مذکور ہیں ۔ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں پیشوائے انسانیت (للناس اماما ۔البقرہ/۱۲۴) تھے ۔انہوں نے ایک مرکز انسانیت کی تعمیر بھی فرمائی ۔لیکن حضرت نے جس عالمگیر مشن کا خواب دیکھا تھا اور جس کی تمنا کی تھی وہ حضور رسالت مآب محمد ابن عبداللہ (ﷺ) کے ہاتھوں مبدل بہ حقیقت ہوا اور آپ ﷺ ہی دعائے ابراہیمی کے مصداق حقیقی تھے ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کو آزادی دلانے کے مکلف بنائے گئے

تھے۔ (دیکھئے کتاب مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور ۱۹۵۹ء۔ خروج باب ۲/ آیت ۲۳ تا ۲۵/ ص ۵۵) قرآن کی رو سے بھی حضرت موسیٰ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو: طٰہٰ (۲۵) نمل (۱۲)، طٰہٰ (۴۲ تا ۴۸)، اعراف (۱۰۴، ۱۰۵، وغیرہ) بعثت موسوی کے دو مقاصد تھے۔ (i) بنی اسرائیل کو غلامی سے رہائی دلانا اور (ii) فرعون اور اس کی قوم کی اصلاح (دیکھئے: محمد جمیل احمد۔ انبیائے قرآن۔ شیخ غلام علی، لاہور/ طبع اول/ ج ۲/ ص ۱۴۵) حضرت عیسیٰ کا مشن بھی بنی اسرائیل کی فلاح و صلاح تک محدود تھا۔ کہ "میں اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی/ باب ۱۵/ آیت ۲۴/ ص ۱۹/ نیا عہدنامہ)۔ مزید تقابلی بحث، تفصیلات اور حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو: قاضی سلیمان منصور پوری (رحمۃ للعالمین) ج ۳/ ص ۹۰ تا ۹۳، نیز گیلانی (النبی الخاتم) ص ۱۳ تا ۴۲۔ نیز دیکھئے: Kamaludin, Khawaja. The Ideal Prophet. The waking muslim (Mission. Lahor-1925. Chap.iv\p.47-55

۳۱۔ علامہ اقبال کے وہ مشہور انگریزی خطبات جو ان کی علمی فکری اور دینی فکر کے غماز ہیں، ان کا زمانۂ تخلیق نو سالوں کو محیط (۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۲ء) ہے۔ ان کے چھ خطبے پہلے پہل ۱۹۳۰ء میں لاہور سے شائع ہوئے۔ ساتواں خطبہ ۱۹۳۲ء میں تیسری گول میز کانفرنس لندن کے دوران لکھا۔ ساتوں خطبات ۱۹۳۴ء میں لندن سے شائع ہوئے۔ ان خطبات کے کئی زبانوں میں تراجم ہوئے۔ خطبات کا مکمل اردو ترجمہ سید نذیر نیازی نے کیا۔ اقبال کا پانچواں خطبہ "اسلامی ثقافت کی روح" ہے۔ دیکھئے: سید نذیر نیازی۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۸ء/ ص ۱۸۸ تا ۲۲۲)

۳۲۔ ڈاکٹر محمد ریاض۔ خطبات اقبال (تعارف) ماہنامہ فکر و نظر۔ اسلام آباد/ ج ۲۷/ شمارہ ۲۵ (جنوری تا مارچ ۱۹۹۰ء)، ص ۹۱

۳۳۔ چنانچہ اسلام دین کائنات ہے: آل عمران (۸۵، ۱۸۳)، یوسف (۴۰)، روم (۳۰)

۳۴۔ بقرہ (۱۸۵)، نساء (۱۰۵)، انعام (۹۰)، ص (۸۷)، الزمر (۴۱)، القلم (۵۲)، مدثر (۳۱)، عبس (۱۱)، التکویر (۲۷)، علامہ اقبال نے کیا اور خوب کہا ہے

آں کتاب زندہ قرآن حکیم حکمت اولا یزال ہیت و قدیم
حرف اور اریب نے تبدیل نے آیہ اش شرمندہ تاویل نے
نوع انسانی را پیام آخریں حامل اور رحمۃ للعالمیں

۳۵۔ مائدہ (۶۷، ۹۹)، عنکبوت (۱۸)، تغابن (۱۲)، اعراف (۲۲، ۴۸، ۹۳)، الجن (۲۳)، نحل (۳۵)،

۳۶۔ بقرہ (۱۲۹، ۱۵۱)، آل عمران (۱۶۴)، جمعہ (۲)، زمر (۷۱)

۳۷۔ نحل (۱۵)

۳۸۔ بقرہ (۱۱۹)، اسراء (۱۰۵)، فرقان (۴۲)، احزاب (۴۵)، فاطر (۲۴)، فتح (۸)،

not

۳۹۔ توبہ(۳۲)، الفتح (۲۸)، الصف(۹)

۴۰۔ نساء (۵۸؛۱۰۵)، حدید (۲۵)

۴۱۔ توبہ (۱۲۸)، کہف (۶)، انبیاء (۱۰۷)، شعراء (۳)، صحیح مسلم (کتاب الفضائل باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ) کی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے امت کے لئے اپنی عنایت شفقت کو ایک تمثیل سے بیان فرمایا ہے۔(انما مثلی و مثل امتی کمثل جل استوقد ناراً فجعلته الدّوآب والفراش یقعن فیہ......الخ) ملاحظہ ہو صحیح مسلم

۴۲۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۲۱

۴۳۔ سورۃ نساء، آیت ۱۶۵

۴۴۔ سورۃ انشراح، آیت ۹

۴۵۔ آپ ﷺ کو حکم تھا: فاصبر کما صبر الوالعزم من الرّسل (الاحقاف / ۳۵) چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا بھرپور مظاہرہ فرمایا۔

۴۶۔ قرآن میں رسولوں کے بھیجے اور کتابوں کے نازل کرنے کا مقصد یہ بتایا گیا کہ لوگ "عدل اور قسط" سے ہمکنار ہوں (الحدید/ ۲۵) سید الرسل نے ان مقاصد کو بدرجہ اتم پورا فرمایا۔

۴۷۔ ریاست نبوی ﷺ کی تاسیس ۱ھ (۲۳-۶۲۲ء) میں ہوئی اور ۹ھ (۳۱-۶۳۰ء) تک وہ آقائے عرب میں (۱۰ لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ تک) پھیل گئی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء۔ ادارہ فروغ اردو، لاہور (نقوش رسول نمبر، لاہور/ دسمبر ۱۹۸۳ء/ ج/۵/ شمارہ ۱۳۰)

۴۸۔ اس غلبے کا وعدہ خود اللہ نے فرمایا تھا (المجادلۃ ۲۴) اور فتح مکہ کے موقع پر خود رسول اکرم ﷺ نے اپنے (ایک) خطبہ کی ابتداء ہی میں فرمایا تھا: لا الٰہ إلا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ صدق وعدہٗ و نصر عبدہٗ و ھزم الاحزاب وحدہٗ۔ (دیکھئے ابن ھشام السیرۃ النبویۃ/ مصطفی البابی الحلبی مصر/ ۱۹۳۶ء/ ج۴/ ص۵۴)

۴۹۔ النحل (۳۵)، عنکبوت (۱۸)، یٰسین (۱۷)، احقاف (۲۳) وغیرہ۔

۵۰۔ وہ بھی اس شان سے کہ جس کی دعا اور تمنا خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس طرح فرمائی کہ "تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔ (دیکھئے کتاب مقدس/ عہد نامہ جدید، متی/ باب ۶/ آیت: ۱/ ص۹)

۵۱۔ اس پر کم و بیش اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ (مطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء) کو ہفتہ (سنیچر) کے دن مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ بقول ابن ھشام (خَرجَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی الحج لخمس لیالٍ بقین من ذی القعدہ۔ (ج۴/ ص۲۴۸)) واقدی کے ہاں بھی الفاظ کم و بیش یہی ہیں (ملاحظہ ہو: الواقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، مطبع جامعۃ آکسفورڈ۔ لندن ۱۹۶۶ء/ ج۳/ ص

۱۰۸۹) نیز ابن سعد (الطبقات الکبریٰ ۔ دار صادر، بیروت ۱۹۵۷ء/ ج ۲/۱۷۳) اور ابی الفداء (کتاب المختصر فی اخبار البشر ۔ المطبعۃ الحسینیہ ۔ مصر/ طبع اول/ ج ۱/ص ۱۵۰) وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے ۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی (م ۱۹۸۹ء) کی کتاب تقویم تاریخی (مطبوعہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی ۱۹۶۵ء/ص ۳) سے بھی اسی (تاریخ و دن) کا تعین ہوتا ہے ۔ جبکہ مولوی اسحق النبی علوی کی تحقیق بیان کے مطابق وسٹنفیلڈ نے ذی قعدہ ۱۰ھ کی پہلی تاریخ کو چہارشنبہ قرار دیا ہے جس کی رو سے ۲۵ کو ٹھیک ہفتہ ہی آتا ہے جو روایات کے عین مطابق ہے (نقوش رسول نمبر ۔ ادارہ فروغ اردو، لاہور/ شمارہ ۱۳۰/۱۹۸۲ء/ ج ۲/ص ۱۹۸) مولوی اسحق صاحب مزید لکھتے ہیں "روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سال حج جمعہ کو ہوا تھا یعنی جمعہ کے دن ۹ تاریخ تھی ۔ مکہ مکرمہ میں ذوالحجہ کا چاند ۲۹ کو تسلیم کر کے پہلی تاریخ پنجشنبہ کی قرار دی گئی تھی اور حج اس حساب سے رکھا گیا تھا ۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جن کو علوم نجوم میں کافی دسترس حاصل تھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نجومی حساب کی رو سے ۹ کو جمعہ نہیں پڑتا مگر ان کا خیال ہے کہ اس سال اللہ کی قدرت کاملہ سے ممکن ہے کہ باقاعدہ رویت ہوئی ہوتا، کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ حج جمعہ کے مقدس دن میں ہو سکے ۔" (ایضاً/ص ۱۹۹) معلوم نہیں مولانا غلام رسول مہر نے اپنے مضمون "حجۃ الوداع" میں حضور ﷺ کی مدینہ منورہ سے روانگی ۲۶ ذی قعدہ ۱۰ھ کو ہفتہ کے روز (بمطابق ۲۳ اپریل ۶۳۲ء) کس حساب کی رو سے درج کی ہے؟ (ملاحظہ ہو: سیرت پاک (ماہ نو کی خصوصی اشاعتوں کا انتخاب) ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی ۱۹۶۶ء/ص ۱۶۷)

۵۲ ۔ جبل حجون سے متصل ایک (گھاٹی) پہاڑی راستہ بیرون مکہ سے اندرون مکہ کو اترتا ہے اس کو کداء کہتے ہیں ۔ حج و عمرے کے لئے اسی طرف سے مکے میں داخل ہونے کو مستحب قرار دیا گیا ہے ۔ حضور ﷺ اسی راستے سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے ۔ (رابع حسنی ۔ جزیرۃ العرب ۔ مطبوعہ مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۴ء/ص ۲۹ ۔ ۲۲۸) کدی ۔ جبل قعیقعان (جبل ہندی) سے مغربی جانب سے تنعیم کے رخ پر جانے والے راستے پر پڑنے والی گھاٹی ہے اس کے شمال میں ذی طوی ہے ۔ اس کا محلّہ الشبکیہ ہے ۔ حج و عمرہ کر کے واپس جانے والے کے لئے یہی راستہ مستحب بتایا گیا ہے ۔ حضور ﷺ نے مکہ سے واپسی اس راستے سے کی تھی ۔ (ایضاً/ص ۲۲۹)

۵۳ ۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا داخلہ ۴ ذی الحجہ بروز اتوار مکہ کی بالائی حصہ یعنی کداء سے ہوا ۔ ملاحظہ ہو (ابن حزم، جوامع السیرۃ ۔ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور/ طبع اول/ص ۲۲۹) استاذ احمد عبدالغفور عطار نے اپنی کتاب حجۃ النبی ﷺ واحکام الحج والعمرۃ ۔ (من منشورات وزارۃ الحج و لاوقاف، المملکۃ العربیہ السعودیۃ ۔ مکہ ۱۹۷۶ء) میں اگرچہ حجۃ النبی ﷺ کے سلسلے میں کافی تفصیل سے کام لیا ہے (ص ۲۷ تا ۳۳۸) اور احوال جدیدہ کی بھی نشاندہی کر دی ہے، لیکن حجۃ الرسول با تاریخ الہجری والمیلادی (ص ۳۳۶ تا ۳۳۸) کے تحت جو تطابق، توافق، جدول مرتب کی ہے اس میں جنوری فروری اور ۶۳۰، ۶۳۱ء کا تطابق ناقابل فہم ہے ۔

۵۴۔ الاستاذ علی حسب اللہ کی کتاب ملاحظہ ہو: **الرسول یعلم الناس مناسکھم فی حجۃ الوداع**، مکتبہ المکرمۃ ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء (طبع ثانی)

۵۵۔ مزید تفصیلات اور حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو: نثار احمد، ڈاکٹر (عہدِ نبوی میں ریاست) ص ۱۷ تا ۳۱

۵۶۔ **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ** O (الروم/۴۱)

۵۷۔ **وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ** O (آل عمران/۱۰۳)

۵۸۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ** O (الانفال/۲۴)

۵۹۔ المائدہ (۹۹)

۶۰۔ ایضاً (۶۷)

۶۱۔ عام طور پر مؤرخین اور اصحابِ سیر یہ بیان کرتے ہیں کہ علی الاعلان تبلیغ رسالتِ نبوی ﷺ کا نقطۂ آغاز خطبۂ کوہِ صفا تھا۔ جو حضور ﷺ نے تین سالہ خفیہ تبلیغ کے بعد ارشاد فرمایا تھا۔ خطبۂ کوہِ صفا سے پہلے تین سالہ مدت (کا گزر جانا، اور اس دوران) خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہنا ہمارے نزدیک بہت عجیب بات ہے۔ کیونکہ کسی نبی یا رسول کا کوئی خفیہ مشن نہیں ہوتا۔ خفیہ تبلیغی مساعی کی توجیہ (اگر اسے مانا جائے) دو طرح ہو سکتی ہے۔ ایک بر بنائے مصلحت (جو مداہنت یقیناً نہ ہو، نہ ایسی کہ سالہا سال پر محیط ہو جائے) دوسرے بر بنائے خوفِ تکذیب و تعذیب (جو شانِ شایانِ رسالت نہیں ہو سکتا)۔ ان توجیہات کی تائید قرآن و حدیث کی تعلیمات اور تاریخی واقعات سے نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وحیِ الٰہی کی روشنی میں تبلیغ رسالت کا کام بتدریج آگے بڑھتا رہا اور نظری، فکری، اور تہذیبی وسعتیں پاتا رہا۔ ممکن ہے خطبۂ کوہِ صفا کا مرحلہ ابتدائی ایام، شہور میں ہی پیش آ گیا ہو، پھر جیسے جیسے دعوت و تبلیغ میں ترقی ہوتی رہی ابتلا و آزمائش کے معاملات میں بھی تیزی پیدا ہوتی گئی۔ (**هذا من عندي والعلم عند الله**)

۶۲۔ پرویز نے مکۃ المکرمۃ کو "مرکزِ نشر الصوت" (Broadcasting station) سے تعبیر کیا ہے جو عہدِ جدید کے حوالے سے معنی خیز ہے۔ (دیکھئے پرویز، غلام احمد، معراج انسانیت، ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور ۱۹۶۸ء/ ص ۳۸۹)

۶۳۔ مسلم کی مشہور حدیث جابر سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کوکبۂ نبوی ﷺ کے جلو میں آغازِ سفرِ حجۃ الوداع سے ہی انسانوں کا سیلِ رواں ساتھ چل رہا تھا۔ پھر دورانِ سفر مکہ معظمہ میں قیام کے دوران اور پھر میدانِ عرفات میں پروانوں کا ہجوم کتنا کچھ نہ بڑھا ہوگا۔ مولانا قاضی سلیمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ "اس وقت ایک لاکھ چوالیس ہزار (یا چوبیس ہزار) کا مجمع ہمہ تن حاضر تھا۔" (رحمۃ للعالمین/ ج/ ص ۳۰۰)

۶۴۔ صحیح مسلم/ ج/ص۳۹۷

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ سورۃ النحل، آیت ۱۲۵

۶۷۔ ڈیوڈل، میلس (مرتبہ) انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا آف دی سوشل سائنسز۔ میکملن، لندن/۱۹۷۲ء/ ج ۳/ص۲۴

۶۸۔ سورۃ القلم، آیت ۴

۶۹۔ سورۃ حٰم السجدہ، آیت ۳۳،۳۴

۷۰۔ النصر (۲)۔ قبول اسلام کا یہ منظر، جبکہ لوگ اسلام میں فوج درفوج داخل ہوئے، (یدخلون فی دین اللہ افواجا) ایک تو صلح حدیبیہ (۶ھ) کے بعد پیدا ہوا۔ یہی صلح حدیبیہ پھر فتح مکہ (۸ھ) کا دیباچہ ثابت ہوئی۔ اور سورۃ الفتح میں اسی کو "فتح مبین" (الفتح/ ۱) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک رائے کے مطابق سورۃ النصر کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ (الرازی/ التفسیر الکبیر/ الجامع الازہر، مصر/ الطبعۃ الاولیٰ۔ الجزء الحادی والثلاثون/ ص۱۶۴)) پھر دوسری بار قبول اسلام کی (یہ کثرت و کیفیت) فتح مکہ کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی۔ علامہ فخر الرازی نے سورۃ النصر کی بحث میں لفظ نصر اور فتح کے حوالے سے لکھا ہے کہ نصر اًلا عانۃ علی تحصیل المطلوب ہے جبکہ فتح تحصیل المطلوب ہے۔ نیز نصر کمالِ دین ہے اور فتح کمالِ دنیا واتمامِ نعمت (ملاحظہ ہو: ایضاً/ ص۱۵۱) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ فتح تو دراصل فتح مکہ ہے کہ یہی فتح ایسی ہے جسے "فتح الفتوح" کہا جاسکتا ہے (ایضاً/ الرازی/ ص۱۵۳)

۷۱۔ عبید الاکبر، ممتاز المحدثین، مولانا اے ایم جی ایم محمد۔ "The Orations of Muhammad (S.A.W)۔ مطبوعہ/ شیخ محمد اشرف، لاہور/ ۱۹۶۶/ ص۷۶۔ بحوالہ بخاری، نسائی، مشکوٰۃ وغیرہ۔

۷۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک میں حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ التیمی سے روایت ہے: **قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نحن بمنیٰ ففتحت اسماعنا حتی کنا نسمع ما یقول و نحن فی منازلنا**۔ (دیکھئے: سنن ابی داؤد/ مطبوعہ میر محمد، کراچی/ ۱۳۶۹ھ/ ص۲۷۰)

۷۳۔ المائدہ (۳)۔ مفسرین، محققین اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سورۂ مائدہ کی یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر ہی نازل ہوئی۔ (ابن سعد کے مطابق: **قال نزلت و ھو واقف بعرفۃ**۔ دیکھئے/ ج۲/ ص۱۸۸)

۷۴۔ حوالے کے لئے ملاحظہ ہو اگلے صفحات میں متن خطبہ اور حوالہ تخریج

۷۵۔ ملاحظہ ہو: کتاب مقدس۔ یسعیاہ/ باب ۵۹/ آیت ۲۱/ ص۷۰۸

۷۶۔ المائدہ (۳)

۷۷۔ ملاحظہ ہو: Brownlie, Lan- (Ed) Basic Documents on Human Rights Clarendon Preas Oxford. 1971\p.106۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر ۲ عالمی

not

منشور حقوق انسانی۔اقوام متحدہ (دستاویز)

۷۸۔ صلاح الدین محمد۔بنیادی حقوق/ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور/ ۱۹۷۷ء/ص ۹۶

۷۹۔ ایضاً /ص ۹۴، بحوالہ Brohi, A.K.United nations and the Human Right (1968\p.44)

۸۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: Marsh, Henry. Documents of Liberty David and Charles Newton abbot. England. 1971\p.35-40

۸۱۔ تاریخی تفصیلات کے مطابق جان نے تخت شاہی پر قدم رکھا تو ملکی حالات سخت مخدوش تھے۔رچرڈ کی وفات کے بعد شہنشاہ فرانس نے انگلستان کے فرانسیسی مقبوضات کو تاخت وتاراج کر ڈالا تھا چنانچہ ۱۲۰۴ء تک شاہ انگلستان کی تحویل سے بہت سے علاقے نکل چکے تھے اور رودبار کے کچھ جزائر اور صوبہ Gascony پر قبضہ باقی رہ گیا تھا۔۱۲۰۸ء میں پوپ ایک حکم امتناعی کے ذریعہ تمام کلیساؤں کو بند کر چکا تھا اور فرانس کے فلپ آگسٹس کو انگلستان آنے کی دعوت دے چکا تھا۔ادھر جاگیر دار امرا اپنے مطالبات منوانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور مسلح مزاحمت کرتے ہوئے ۱۷ مئی ۱۲۱۵ء کو لندن پر قبضہ کر کے شہنشاہ جان کو مذاکرات پر مجبور کر چکے تھے جو ونڈسر کے قلعے میں پناہ گزیں تھا۔مختلف مرحلوں کے بعد بالآخر ایک دستاویز لکھی گئی اور پھر اس کی بنیاد پر میگنا کارٹا کا اجرا عمل میں آیا۔(Marsh/ص ۳۵، ۴۰ ملخصاً)

۸۲۔ اس منشور کا اجرا کر کے اور باغی عناصر اور امرا کے جوش وجذبے کو ٹھنڈا کر کے شہنشاہ جان دراصل اتنی مہلت حاصل کرنا چاہتا تھا کہ وہ ایک طرف تو اس دوران مذہبی پیشواؤں، پاپاؤں کو ہموار کر سکے اور دوسری طرف اپنے اقتدار کو جتنا ہو سکے پھر بحال کر لے۔ان مخفی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کچھ مثبت حقوق اور آزادیوں کا اعلان گویا ایک طرح کی "سیاسی رشوت" یا نمائشی اعلان اور بلیک میلنگ ہی کہی جا سکتی ہے۔چنانچہ اس منشور کے سرنامے میں کہا گیا ہے کہ اس کا اجرا "مقدس کلیسا کی عظمت و جلال کے لئے، مذہبی پیشواؤں کی ہدایت پر اور اپنے مطیع وفرمانبردار باشندوں (یعنی امرا) کی خاطر عمل میں آیا ہے (دیکھئے مارش/ص ۴۰) جبکہ اسی منشور کی دفعہ ۶۱ میں (اصل پردہ اٹھاتے ہوئے) کہا گیا ہے کہ یہ تمام آزادیاں اور مراعات اس تنازعے کو ختم کرنے کے لئے عطا کی گئی ہیں جو بادشاہ اور امرا (Barons) کے درمیان پیدا ہوا تھا۔پھر اسی دفعہ میں امرا کے اختیارات کی بھی تفصیل درج ہے (دیکھئے ایضاً /۴۹) منشور کے ان ہی مخصوص مقاصد اور نوعیت کے پیش نظر پروفیسر Mekechnie نے لکھا ہے کہ "مسٹر جینکس کی دلیل کے مطابق منشور دراصل امرا (Barons) کی خود غرضی کی پیداوار تھا اور جس میں صرف ذاتی غرض کارفرما تھی نہ کہ دوسروں کی غرض یا قومی مفاد۔ دیکھئے (Gense, T.H England History (part I) from the earliest times to the tender period. (1485). Maemillov & Co. Dondon. 1936\p.150.

not

تین کے نزدیک یہ منشور امراء کی طرف سے بادشاہ کے اختیارات کو محدود کرنے اور خود اس کی جگہ لینے کی ایک کوشش تھی۔ (ایضاً/ص ۴۷) پروفیسر میک کینی کے خیال میں یہ ایک قانونی بغاوت کا اظہار تھا (ایضاً/ص ۴۰) مینجلی کی رائے میں اس منشور اعظم نے فتنہ و فساد کو "قانونی نراج" (Legal Anarchy) کے اصول کو تقویت بخشی (ایضاً/ص ۴۷)

۸۳۔ اس زمانہ کے تاریخی حالات و واقعات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ میگنا کارٹا ایک وقتی حل کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ بد نیتی ملاحظہ کیجئے کہ ۱۲ جون ۱۲۱۵ء "کورنی میڈ" (Runny mede) میں دستاویز پر دستخط ثبت کرنے کے بعد سے ہی شہنشاہ جان نے خود اس کو معطل کرنے کی تدبیریں شروع کردی تھیں، یہاں تک کہ اس نے پوپ کو بھی راضی کرلیا کہ بادشاہ کی خواہش کا احترام کیا جائے گا۔ بالآخر منشور کو معطل ٹھہرادیا گیا۔ اس واقعے پر امراء نے پھر ہتھیار سنبھال لئے اور شہنشاہ فرانس کے سب سے بڑے بیٹے اور وارث تخت (لوئی) کو انگلستان آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ لوئی ہشتم ۱۲۱۶ء کو بغیر کسی مزاحمت کے لندن میں داخل ہوگیا۔ جان کا انتقال اسی سال ہوا۔ (ملاحظہ ہو Gense / ص ۱۴۷۔ نیز دیکھئے Webster's Biographical Dictionary. Marriam. & Co.USA\p 920. U.S.A) ان تمام حقائق کے باوجود یہ باور کیا جاتا کہ بادشاہ اور انگریز عوام کے درمیان یہ (میگنا کارٹا) ایک عظیم معاہدہ تھا اور انگریزوں کی بنیاد ثابت ہوا (Gense / ص ۵۰۔ ۱۴۹) کیسا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار!** یہاں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی یہ تصریح بھی یادرہے کہ یہ مشہور ترین اور موثر ترین حقوق انسانی فراہم کرنے والی دستاویز تھی۔ (ج ۸/ص ۱۱۸۳) نیز دیکھئے (ضمیمہ نمبر ۳)

۸۴۔ یہ اس دور کی بات ہے جبکہ مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی برتری کا دور ختم ہو چکا تھا اور وہ جگہ جگہ زوال و انتشار کا شکار تھے۔ ادھر صلیبی جنگوں کے نتیجہ میں عیسائی دنیا سے آویزش ایک نیا رخ اختیار کر چکی تھی (پانچویں صلیبی جنگ کا معرکہ کارزار اس وقت بھی گرم تھا) اور عباسی، سلجوقی، زنگی، ایوبی، اور مملوکی، حکمراں اگرچہ دشمنانِ اسلام کے خلاف ہنوز صف آرا تھے تاہم زوال و انتشار کا شکار تھے۔

۸۵۔ ملاحظہ ہو: Brownlie (بیسک ڈاکومنٹس آن ہیومن رائٹس/ص ۸) مزید دیکھئے (ضمیمہ نمبر ۴)، اعلانِ حقوقِ انسانی و باشندگان۔ فرانس ۱۷۸۹ء

۸۶۔ ایضاً

۸۷۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (Douglas, William, A Living Bill of Rights- 1961) کا عربی ترجمہ۔ مطبوعہ۔ دارالکرنک للنشر والطبع والتوزیع، قاہرہ/۱۹۶۵ء

۸۸۔ دیکھئے: Brownlie / ص ۱۔ نیز ملاحظہ (ضمیمہ نمبر ۵)، نوشتہ حقوق امریکہ/۱۷۹۱ء

۸۹۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید محمد و دیگر (مرتبہ) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۷۳ء/ص ۹۷۵

ضمیمہ (۱)

سفر حجۃ الوداع، راستہ اور منزلیں

حجۃ الوداع کے سلسلے میں حضور اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک کا جو سفر اختیار فرمایا تھا، اس کا اجمالی بیان اگرچہ تاریخ وسیر اور حدیث کے تمام قابل ذکر مآخذ (ابن سعد/ ۲۳۰ھ بخاری/ ۲۵۶ھ ابن قیم/ ۷۵۱ھ ابن کثیر/ ۷۷۴ھ مقریزی/ ۸۴۵ھ زرقانی/ ۱۱۲۲ھ وغیرہ) میں موجود ہے۔(۱) لیکن اس سفر کی جزئیات وتفصیلات میں ان کے ہاں اتنا فرق وتفاوت پایا جاتا ہے جس کے سبب راستے اور سفر کی منزلوں کا یقینی تعین دشوار ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سفر حجۃ الوداع سے پہلے بھی حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والتحیۃ کے (مکہ اور مدینہ کے درمیان) کئی یادگار سفر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں مثلاً ہجرت کے موقع پر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کا سفر، عمرۃ الحدیبیہ اور عمرۃ القضا کے مواقع پر مدینہ سے مکہ اور واپسی کا سفر، فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی آمد ورفت اور پھر حجۃ الوداع کا سفر۔ لیکن خاص بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف راستے منتخب فرمائے ہیں، اس لئے اس حقیقت کے باوجود کہ راہ مسافرت نبوی ﷺ میں مساجد بنادی گئی تھیں جیسا کہ بخاری کتاب الصلوۃ باب المساجد میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے(۲) تعین راہ آسان نہیں اور اس میں ظاہر ہے کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ کچے راستوں اور ریگستانی علاقوں میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ جو راستہ ایک وقت میں گذرگاہ ہو وہ دوسرے وقت میں قابل عبور نہ رہے علاوہ ازیں مکہ اور مدینہ کے درمیان آنے جانے کے راستے پہلے بھی مختلف رہے ہیں (۳) اور فی زمانہ بھی متعدد ہیں (۴) پھر قدیم وجدید راستے ان کی منزلیں اور ان کے ناموں اور عرفیت میں فرق پڑ جانا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔

ان وجوہ سے ہمارے ہاں کے علمائے متقدمین، متوسطین، اور متاخرین کی تحریروں میں سفر ومنازل سفر کے بیان میں تفاوت پایا جانا نہ تو تعجب خیز ہے نہ قابل گرفت! البتہ ان کے ائتلاف واختلاف کا بہت کچھ اندازہ ذیل میں دئے گئے جدول سے کیا جا سکتا ہے:

ابن سعد	بخاری	ابن قیم	ابن کثیر	مقریزی	زرقانی	دانا پوری	شیخ زکریا	رابع حسنی	متفرق معلومات (۵)
مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	مدینہ	کل فاصلہ از مدینہ تا مکہ ۴۲۱ کلومیٹر
ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ بطن وادی بطحاء	ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ وادی	ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ	ذوالحلیفہ وادی العقیق	ذوالحلیفہ	مدینہ سے فاصلہ = ۶ میل / ۹ کلو میٹر (ک م) (ذوالحلیفہ کو آبار علی کہا جاتا ہے)

			البیداء	البیداء		بیراء	بیراء		
			معرس خلیج						واد له عمق (ابن کثیر/ج۴/ص۲۹۶)
							ملل	ملل	مدینہ سے فاصلہ ۳۰ کلومیٹر (ک م)
				شرف السیالہ				السیالہ	مدینہ سے فاصلہ ۵۰ کلومیٹر (ک م)
				عرق الظبیہ					
	الروحاء	الروحاء	الروحاء	الروحاء		الروحاء	الروحاء	الروحاء	// // ۷۰ کلومیٹر (ک م)
	الرویثہ	الرویثہ	الرویثہ						
			تلعہ	عصی					تلعہ (من وراء العرج۔ ابن کثیر ص۲۹۷
		الاثایہ		الاثایہ		اثایہ	اثایہ	اثایہ	مدینہ سے فاصلہ=۱۱۴ ک م
			سلمات						
	العرج	العرج		العرج لحی جمل	العرج	العرج	العرج	العرج	العرج: مدینہ سے فاصلہ=۱۴۰ ک م (قریۃ جامعۃ علی لایام من المدینۃ قالہ ابن الاثیر زرقانی/ص ۱۵۷
				السقیاء				السقیا	جدید نام م۔ ام ایک=۱۸۰ ک م
				ابواء	الابواء	ابواء	ابواء	الابواء	مدینہ سے فاصلہ=۲۰۰ ک م
	ہرشی		ہرشی				ہرشی		
				الجحفہ	الجحفہ			الجحفہ	مکہ سے فاصلہ ۱۰۵ میل/ ۱۷۳ ک م
				قدید				قدید	مکہ تا قدید=۱۶۸ ک م
			غلوۃ السیل						
								امج	مکہ t امج=۱۲۵ ک م

مدینہ سے فاصلہ=۳۴۸ ک م (مکہ سے ۱۰۳ ک م)	عسفان	عسفان		عسفان	عسفان		عسفان		
	کراع الغمیم				الغمیم				
جدید نام (وادیٔ فاطمہ) مکہ سے=۳۴ ک م	مرا لظہران				مرا لظہران			مرا لظہران	مرا لظہران
مدینہ سے ۴۱۱ ک م (مکہ=۱۰ ک م)	سرف	سرف	سرف		سرف		سرف		سرف
(میقات اہل مکہ)=۷/۸ ک م	تنعیم							سفر اوات	
(یہاں آپؐ نے ایک شب بسر فرمائی تھی)	ذی طوی	ذی طوی	ذی طوی			ذی طوی		ذی طوی	
						اکمہ		فرصعہ	
کداء، جبل حجون سی متصل پہاڑی راستہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے	معلاۃ		ثنیۃ العلیاء	ثنیۃ العلیاء		ثنیۃ العلیا			کداء
	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ	حرم مکہ

زیادہ تر معلومات مولانا رابع حسنی کی کتاب جزیرۃ العرب (مطبوع مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۴) سے ماخوذ ہیں۔

جدول کو دیکھ کر یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر کی تفاصیل تمام مآخذ میں یکساں طور پر نہیں پائی جاتیں۔ البتہ منازل سفر اور راستہ کے تعین کے سلسلہ میں بخاری (۶) ابن کثیر (۷)، مقریزی (۸)، شیخ زکریا کاندھلوی (۹) اور جدید العہد مصنف مولانا رابع حسنی کی کتابیں زیادہ مفید مطلب ہیں۔

چنانچہ الشیخ زکریا کاندھلوی نے (علامہ ابن قیم کو مدار ٹھہراتے ہوئے تشریح و تفصیل کے ضمن میں) سفر حجۃ الوداع اور اس کی منازل کے بارے میں اظہار خیال کے علاوہ (الفصل الثانی فی عمرۃ الحدیبیہ/ص ۲۱۷ کے تحت) ایک نقشہ بھی شامل اشاعت (مقابل/ص ۲۲۷) کیا ہے۔ جبکہ مولانا رابع حسنی نے مکہ و مدینہ کے مابین راستے اور اہم مقامات کی تفصیل (نقشہ مقابل/ص ۲۶۹) کے ساتھ سفر ہجرت اور سفر حجۃ الوداع کے راستوں اور مقامات کا نقشہ بھی دیا ہے (مقابل ص ۲۷۰-۲۷۱) ان نقشوں اور تفصیلات کے پیش نظر اگر چہ مؤرخین اور اصحاب سیر کے بیان کردہ سفر حجۃ الوداع اور اس کی منازل کا کلی تطابق تو ثابت نہیں ہوتا تاہم سفر حجۃ الوداع کا ایک نسبتاً مربوط خاکہ سامنے ضرور آجاتا ہے۔

not

سفر حجۃ الوداع کے سلسلے میں بطور خلاصہ چند باتیں واضح ہیں:۔

(i) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے روانگی (زیادہ تر اقوال/ ماخذ کے مطابق بروز شنبہ/ سنیچر/ ہفتہ) ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ (مطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء) کو ہوئی۔

(ii) یہ مہینہ (ذی قعدہ) ۲۹ دن کا تھا اور ذی الحجہ کی پہلی تاریخ / یکم ذی الحجہ ۱۰ھ بالاتفاق پنجشنبہ/ جمعرات (۲۷ فروری ۶۳۲ء) کو تھی (۱۰)

(iii) مکہ مکرمہ میں داخلہ ۴ ذی الحجہ ۱۰ھ (۲ مارچ ۶۳۲ء) کو (بروز یکشنبہ/ اتوار) ہوا۔

(iv) گویا حجۃ الوداع کا یہ مقدس سفر (از روانگی تا داخلہ مکہ) ۹ دنوں پر مشتمل ہے۔

(v) تقریباً چار روزہ قیام کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعمال وارکان حج ادا فرمائے یعنی ۸ ذی الحجہ (یوم الترویہ) سے ۱۳ ذی الحجہ تک مسلسل مشغول رہے اور پھر ۱۴ ذی الحجہ کو طواف وداع فرمانے کے بعد کدی کے راستہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ ان امور کا خلاصہ بصورت جدول حسب ذیل ہے:

ہجری تاریخ	دن	عیسوی تاریخ	تفصیل سفر/ کوائف
۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ	شنبہ/ ہفتہ	۲۲ فروری ۶۳۲ء	مدینہ منورہ سے روانگی
۲۶ ذی قعدہ ۱۰ھ	یکشنبہ/ اتوار	۲۳ فروری ۶۳۲ء	ذوالحلیفہ (آبارعلی) میقات اہل مدینہ آمد/ شب بھر اقامت، صبح غسل احرام تلبیہ، مکہ روانگی
۲۷ // //	دوشنبہ/ پیر	۲۴ // //	
۲۸ // //	سہ شنبہ/ منگل	۲۵ // //	
۲۹ // //	چہار شنبہ/ بدھ	۲۶ // //	
یکم ذی الحجہ ۱۰ھ	پنجشنبہ/ جمعرات	۲۷ // //	مسافرت۔ مختلف منازل سفر: الروحاء، الرویثہ، الاثایہ، العرج، الابواء، عسفان، مرالظہران، سرف، ذی طوی
۲ // //	جمعہ	۲۸ فروری	
۳ // //	ہفتہ	یکم مارچ ۶۳۲ء	
۴ // //	اتوار	۲ // //	(بالائی سمت سے براہ کدا/ ثنیۃ العلیاء) مکہ معظمہ میں داخلہ اور قیام (ابطح)
۵ // //	پیر	۳ // //	
۶ // //	منگل	۴ // //	
۷ // //	بدھ	۵ // //	

۸ // //	جمعرات	۶ // //	(یوم الترویہ) تمام مسلمانوں زائرین کے ساتھ منیٰ کے لئے
			روانگی۔منیٰ میں قیام
۹ // //	جمعہ(۱۱)	۷ // //	(یوم العرفہ) منیٰ سے روانگی آمد عرفات۔وقوف حج، خطبہ حجۃ الوداع۔نماز ہائے قصر، غروب آفتاب روانگی برائے مزدلفہ
۱۰ // //	ہفتہ	۸ // //	(بعد فجر قبل طلوع آفتاب) مزدلفہ سے منیٰ کو روانگی (یوم النحر) رمی جمعرات نحر حلق کرکے لئے روانگی برائے طواف افاضہ
۱۱ تا ۱۳ // //	اتوار تا منگل	۹ تا ۱۱ // //	ایام تشریق (اول ثانی ثالث) نمازیں/رمی جمرات/خطبات/منیٰ سے روانگی/وادی محصب/اقامت شب (فجر سے پہلے) وادی محصب سے روانگی، داخلہ بیت اللہ، طواف وداع، نماز فجر۔واپسی سفر، براہ کدی مدینہ منورہ کے لئے روانگی۔(۱۲)
۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ	بدھ	۱۲/مارچ ۶۳۲ء	

ضمیمہ (۲)

عالمی منشور حقوقِ انسانی، (اقوامِ متحدہ۔دسمبر ۱۹۴۸ء)

تعارف :

یہ منشور دراصل وہ اعلان ہے جو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو زیر بحث آیا اور منظور ہوا (۱) یہ منشور کل (۳۰) دفعات پر مشتمل ہے اور جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے کی جانے والی کوششوں کی معراج ہے۔(۲)

منشور، متن (۳):

۱۔ تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور منصب و مرتبے اور حقوق کے معاملے میں سب برابر ہیں۔ وہ عقل وضمیر سے بہرہ ور ہیں، اس لئے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے برادرانہ جذبے کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔

۲۔ ہر فرد کسی بھی قسم کے لحاظ و امتیاز کے بغیر تمام حقوق و آزادیوں کا مستحق ہوگا جو اس منشور میں عطا کی گئی ہیں۔ مثلاً نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دوسرے نظریات، قومی یا سماجی حیثیت، ملکیت، پیدائش یا

not

دوسرے امتیازات۔ مزید برآں اس بنا پر بھی امتیاز نہیں برتا جائے گا کہ کوئی شخص جس ملک یا خطے و علاقے سے تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی قانونی یا بین الاقوامی حیثیت کیا ہے۔ وہ ملک آزاد و خودمختار ہے، زیر تولیت ہے، حکومت غیر خوداختیاری یا کسی محدود اختیار کے تحت ہے۔

۳۔ ہر ایک کو زندہ رہنے، آزادی سے زندگی بسر کرنے اور شخصی تحفظ کا حق حاصل ہے۔

۴۔ کسی بھی شخص کو غلام یا محکوم نہ بنایا جائے گا۔ غلامی اور غلاموں کی تجارت کی ہر قسم ممنوع متصور ہوگی۔

۵۔ کسی بھی شخص کو تشدد، ظلم و ستم، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک و سزا کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

۶۔ ہر ایک فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ قانون کی رو سے ہر جگہ اس کی شخصی حیثیت و انفرادیت تسلیم کی جائے

۷۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بلا کسی لحاظ و امتیاز کے یکساں قانونی تحفظ کے حقدار ہیں۔ نیز وہ ہر اس امتیاز کے خلاف بھی یکساں تحفظ کا حق رکھتے ہیں جو اس منشور کی خلاف ورزی پر مبنی ہو یا جہاں اس قسم کے امتیاز کی تحریص و ترغیب پائی جائے۔

(۸) ہر فرد کو آئین یا قانون کے ذریعہ ملنے والے بنیادی حقوق کے منافی قوانین کے خلاف با اختیار قومی ٹریبونل کے ذریعہ موثر چارہ جوئی کا حق حاصل ہے۔

(۹) کوئی شخص بلا جواز گرفتاری، نظر بندی، یا جلاوطنی کا مستوجب نہیں ہوگا۔

(۱۰) ہر شخص کو اپنے بنیادی حقوق و فرائض کے تعین یا اپنے خلاف عائد کردہ الزامات سے برأت کے لئے آزاد و خودمختار اور غیر جانبدار ٹریبونل میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا یکساں حق حاصل ہوگا۔

(۱۱) (i) ہر ایک فرد جس پر تعزیری جرم کا الزام ہے، اس بات کا مستحق ہے کہ اسے بے قصور گردانا جائے تا آنکہ اسے کسی کھلی عدالت میں قانون کے مطابق مجرم ثابت کر دیا جائے۔ جہاں اسے اپنی صفائی کی تمام ضروری ضمانتیں فراہم کی گئی ہوں۔

(ii) کسی فرد کو نہ کسی ایسے ارادی یا غیر ارادی فعل کی بنا پر قابل تعزیر جرم کا مرتکب قرار دیا جاسکے گا جو اپنے وقوعے کے وقت کسی قومی یا بین الاقوامی قانون کے تحت قابل تعزیر نہ سمجھا جاسکے۔ نہ ہی کوئی جرمانہ یا تاوان اس سے زیادہ عائد کیا جاسکے گا، جو ارتکاب جرم کے وقت قابل اطلاق تھا۔

(۱۲) کسی فرد کی خلوت، گھربار، خاندانی معاملات اور خط و کتابت میں بلا جواز مداخلت نہیں کی جاسکے گی اور نہ اس کی عزت و شہرت کو مجروح کیا جائے گا۔ ہر ایک فرد اس قسم کی بے جا مداخلت یا جراحت کی صورت میں قانونی تحفظ کا حقدار ہے۔

(۱۳) (i) ہر فرد کو اپنی اپنی ریاست کے حدود میں نقل و حرکت اور رہائش کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

(ii) ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ کسی بھی ملک کو بشمول اس کے اپنے ملک کو چھوڑ کر چلا جائے اور پھر اپنے

ملک واپس پہنچ جائے۔

(۱۴) (i) ہر فرد کو ظلم وتشدد سے بچنے کے لئے دوسرے ممالک میں پناہ لینے کا حق حاصل ہے۔

(ii) غیر سیاسی جرائم یا اقوام متحدہ کے اصول ومقاصد کے منافی اعمال کے سلسلے میں مقدمات سے بچنے کے لئے یہ حق البتہ کارآمد نہ ہوگا۔

(۱۵) (i) ہر فرد کو حق شہریت حاصل ہے۔

(ii) کسی فرد کو بلا جواز اس کی شہریت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ شہریت کی تبدیلی کا حق اس سے سلب کیا جائے گا۔

(۱۶) (i) ہر بالغ مرد وعورت کو بلا امتیاز نسل، شہریت ومذہب شادی کرنے اور گھر بسانے کا حق حاصل ہے۔ اور دونوں رشتۂ ازدواج قائم کرنے میں، ازدواجی زندگی بسر کرنے میں اور ازدواجی حیثیت ختم کرنے میں برابر برابر حق رکھتے ہیں۔

(ii) رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے زن وشوہر کی مکمل آزادانہ مرضی ومنظوری ضروری ہوگی۔

(iii) خاندان معاشرہ کا بنیادی اور فطری رکن ہے۔ جسے ریاست اور معاشرہ دونوں کی طرف سے مکمل تحفظ وسلامتی کی ضمانت حاصل ہے۔

(۱۷) (i) ہر فرد کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(ii) کسی کو بلا جواز اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

(۱۸) ہر فرد کو فکر وخیال، ضمیر، عقیدہ ومذہب کی آزادی حاصل ہے۔ اور اس حق میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے عقیدہ یا مذہب کو تنہا، یا دوسروں کی معیت میں خلوت میں یا جلوت میں تبدیل کر سکے اور اپنے عقیدے ومذہب کا اظہار، اس کی تعلیم، اس کے مطابق عمل، عبادت اور تبلیغ واشاعت کر سکے۔

(۱۹) ہر فرد کو آزادئ خیال واظہار کا حق حاصل ہے اور اس میں کسی مداخلت کے بغیر، کسی بھی ذریعے سے اور سرحدوں کا لحاظ کئے بغیر، کوئی بھی رائے یا خیالات رکھنے معلومات حاصل کرنے اور پہنچانے کا حق بھی شامل ہے۔

(۲۰)۔(i) ہر فرد کو پر امن اجتماع اور تنظیم کا حق حاصل ہے۔

(ii) کسی فرد کو کسی خاص تنظیم سے تعلق رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۲۱) (i) ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ براہ راست یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ اپنے ملک کی حکومت میں شرکت کرے۔

(ii) ہر فرد کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمت کے حصول کا حق مساوی طور پر حاصل ہے۔

(iii) حکومت کے اختیار کی اصل بنیاد عوام کی خواہش ورضا مندی ہوگی۔ اس کا اظہار معین وقت پر،

not

صحیح جائز، انتخابات کے ذریعہ، آزادانہ رائے شماری اور خفیہ رائے دہی یا اس کے مماثل طریقہ کار کے مطابق ہوگا۔

(۲۲) ہر فرد کو رکن معاشرہ ہونے کی حیثیت سے سماجی تحفظ کا حق حاصل ہے۔اور قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعہ اور ہر ریاست کے اپنے وسائل کے مطابق معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا بھی حقدار ہے۔

(۲۳) (i) ہر فرد کو کام کرنے، اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے، بہتر اور منصفانہ شرائط کار حاصل کرنے اور بیروزگاری سے تحفظ پانے کا حق حاصل ہے۔

(ii) ہر فرد، بلا امتیاز، یکساں کام کی یکساں اجرت پانے کا حقدار ہے۔

(iii) ہر فرد کو بہتر اور منصفانہ معاوضہ حاصل کرنے کا حق ہے جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کے لئے باعزت زندگی بسر کرنے کی ضمانت فراہم کرسکے، اور ضرورت پڑنے پر اس کے سماجی تحفظ کے لئے کچھ دوسرے ذرائع بھی مہیا کئے جائیں۔

(iv) ہر فرد کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ٹریڈ یونین بنانے اور ان میں شرکت کرنے کا حق حاصل ہے

(۲۴) ہر فرد کو راحت وآرام تفریح، اوقات کار کے معقول تعین اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیوں کا حق حاصل ہوگا۔

(۲۵) (i) ہر فرد کو اپنی اور اپنے اہل خاندان کی صحت وخوشحالی کے لئے ایک معقول معیار زندگی برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔جس میں خوراک، لباس، رہائش، طبی امداد ضروری سماجی خدمات شامل ہیں۔نیز یہ استحقاق بھی اسے حاصل ہے کہ بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپے اور ایسے حالات میں جو اس کے قابو سے باہر ہوں، اسے تحفظ فراہم کیا جائے۔

(ii) امومیت یا مادریت اور شیر خوارگی، خصوصی توجہ اور امداد کی مستحق ہے۔اور تمام بچوں کو خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز، یکساں سماجی تحفظ حاصل ہوگا۔

(۲۶) (i) ہر فرد کو حصول تعلیم کا حق ہے۔تعلیم کم ازکم اساسی اور ابتدائی مراحل میں مفت ہوگی۔بنیادی تعلیم لازمی متصور ہوگی۔البتہ تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا حصول عام رکھا جائے گا۔اور اہلیت وقابلیت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم کے مواقع سب کو حاصل ہوں گے۔

(ii) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر اور انسانی حقوق وآزادیوں کے احترام کو مستحکم بنانا ہوگا۔تعلیم سے تمام اقوام اور نسلی، مذہبی گروہوں کے درمیان افہام وتفہیم، تحمل، رواداری اور بھائی چارے کے فروغ میں مدد ملےگی اور اقوام متحدہ کی ان کوششوں کو بھی جو قیام امن کے لئے کررہی ہیں۔

(iii) والدین کو بدرجۂ اولیٰ یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس نوعیت تعلیم کا خود انتخاب کریں جو وہ اپنے بچوں کو دلانا چاہتے ہیں۔

(۲۷) (i) ہر فرد کو معاشرے کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، علوم وفنون سے لطف اندوز ہونے اور

سائنسی ترقی کے ثمرات سے متمتع ہونے کا حق ہے۔

(ii) ہر فرد کو اپنی سائنسی، ادبی یا فنی تخلیقات کے اخلاقی و مادی مفادات کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(۲۸) ہر فرد ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا مستحق ہے جس میں منشور کے ان حقوق اور آزادیوں سے بہرہ ور ہونے کی ضمانت ہو۔

(۲۹) (i) ہر فرد پر اس معاشرہ کی طرف سے ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جس میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور مکمل نشوونما ممکن ہے۔

(ii) اپنے حقوق اور آزادیوں کے استعمال کے لئے ہر شخص صرف ان پابندیوں سے محدود رہے گا جو قانوناً عائد ہوتی ہیں۔ جن کا مقصد کلیتاً دوسروں کے حقوق کا تحفظ اور ان کی آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا اور ایک جمہوری معاشرہ میں اخلاقِ عامہ، نظم وضبط اور مجموعی فلاح کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔

(iii) ان حقوق اور آزادیوں کو کسی حال میں اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

(۳۰) اس منشور کے کسی بھی حصے کی ایسی تعبیر نہیں کی جا سکے گی جس کا مقصد کسی بھی ریاست، گروہ یا فرد کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے کا حق دلاتا ہے جس کے ذریعہ وہ ان متعین حقوق اور آزادیوں ہی کا صفایا کر دے جو منشور میں عطا کی گئی ہیں۔

ضمیمہ (۳)

میکنا کارٹا (منشورِ اعظم، انگلستان)

تعارف :

☆ میکنا کارٹا، برطانیہ میں بنیادی حقوق کی اہم ترین اور تاریخی دستاویز ہے۔ عہدِ جدید میں انسانی حقوق اور آزادیوں کی بحث میں نقطۂ آغاز بالعموم اسی دستاویز کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس منشور کو تیرھویں صدی عیسوی میں انگلستان کے بادشاہ (ہنری دوم کے بیٹے اور رچرڈ شیر دل کے بھائی) جان (۱۱۹۹ تا ۱۲۱۶ء) نے جون ۱۲۱۵ء میں جاری کیا تھا (۱)۔

☆ میکنا کارٹا میں کل (۶۳) دفعات ہیں (۲)۔ زیادہ تر دفعات اپنے زمانہ کی ضروریات اور حالات کی مطابقت میں لکھی گئی ہیں جن کے حوالے جا بجا موجود ہیں۔ البتہ بعض دفعات جو اصولی باتوں پر مشتمل ہیں اور جن میں انسانی حقوق اور آزادیوں کی جھلک موجود ہے۔ ان کا مفہوم اور خلاصہ ذیل میں دیا جا رہا ہے:-

متن، خلاصہ، دفعات :

سرنامہ: ہرگاہ کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر، اپنی، اپنے آبا اجداد اور وارثوں کی روح کی بالیدگی کے لئے، احترامِ خداوندی کے اظہار، اور مقدس کلیسا کی عظمت وجلال کے لئے اور اپنی مملکت کے بہتر انتظام و انصرام کے لئے، اپنے مقدس مذہبی پیشواؤں اور اپنی اطاعت شعار رعایا کی ہدایت اور مشورے پر ہم نے اپنی طرف سے، اور اپنے وارثوں کی طرف سے وہ تمام آزادیاں عطا کردی ہیں جن کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے:۔

(۱) انگریزی کلیسا آزاد رہے گا۔ اس کے حقوق کم نہیں کئے جائیں گے اور اس کی آزادیاں متاثر نہیں ہونگی (ملاحظہ ہو۔ دفعہ نمبر ۱)

(۲) عام نوعیت کے مقدمات کی سماعت عدالتِ شاہی میں نہیں ہوگی بلکہ کسی اور مقررہ جگہ پر کی جائے گی۔ (دفعہ ۱۷)

(۳) ضلعی عدالت کے انعقاد کے دن اگر مقدمات کی سماعت ممکن نہ ہو تو افسر مجاز (Knight) (نائٹ) آزاد شہریوں کی اتنی ہی تعداد کے سامنے (جو عدالت میں موجود یا باقی رہ گئی ہو) سماعت کریں گے، اور عدالت کی کاروائی کے لئے یہ کافی سمجھا جائے گا۔ (دفعہ ۱۹)

(۴) آئندہ کوئی سرکاری افسر کسی شخص پر، خود اپنے ایسے بیان کی رو سے، کوئی مقدمہ دائر نہ کر سکے گا، جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اور جس کی صداقت پر کوئی معتبر شہادت بھی پیش نہ کی جا سکے۔ (دفعہ ۳۸)

(۵) کوئی آزاد شہری نہ گرفتار کیا جائے گا نہ قید، نہ اس کے حقوق سلب کئے جائیں گے نہ اسے اپنی ملکیت سے محروم کیا جائے گا، نہ اسے ملک بدر کیا جائے گا، یا اسے اس کی حیثیت سے محروم کیا جائے گا، نہ ہماری طرف سے اس کے خلاف طاقت استعمال کی جائے گی نہ دوسروں کو ایسا کرنے دیا جائے گا۔ الا یہ کہ کوئی قانونی فیصلہ یا اس کے ہم رتبہ افراد کا فیصلہ یا ملکی قانون کا تقاضہ ہو۔ (دفعہ ۳۹)

(۶) ہم نہ تو کسی کو حق یا انصاف فروخت کریں گے نہ اس سے محروم کریں گے اور نہ ہی اس میں تاخیر کی جائے گی۔ (دفعہ ۴۰)

(۷) مستقبل میں ہر شخص قانوناً مجاز ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ اپنی وفاداری قائم رکھتے ہوئے بلا ضرر بلا ضرار خشکی یا پانی کے راستے، ہماری سلطنت چھوڑ کر چلا جائے یا واپس آ جائے۔ الا یہ کہ وہ جنگ کا زمانہ ہو۔ (دفعہ نمبر ۴۲)

(۸) یہ تمام مراعات اور آزادیاں جو ہم نے عطا کی ہیں، ہماری قلمرو میں، اس حد تک جس حد تک ہمارے اپنے تعلقات اپنی رعایا کے ساتھ ہیں، جاری و ساری رہیں گی ہماری سلطنت کے تمام افراد خواہ خواص ہوں یا عوام وہ بھی ان مراعات اور آزادیوں کا، حسب مراتب پاس و لحاظ کریں۔ (دفعہ نمبر ۶۰)

ضمیمہ (۴)

اعلانِ حقوقِ انسانی و باشندگان ۱۷۸۹ء، (فرانس)

تعارف :

☆ یہ اعلان ان تصورات کا نمایاں عکاس ہے جو انقلاب فرانس کے پس پشت کارفرما تھے (۱)۔

☆ دستوری حکومت اور قانون کی حکمرانی کے لئے قواعد وضوابط کا ایک مکمل مجموعہ (۲)۔

☆ اس اعلان کی توثیق حکومت فرانس کے دساتیر مجریہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۸ء کے دیباچوں میں موجود ہے (۳)۔

اعلان کا متن :

(۱) انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور انہیں آزاد ہی رہنا چاہئے۔ حقوق کے معاملہ میں سب برابر ہیں۔ البتہ معاشرتی امتیازات کا مدار صرف افادۂ عامہ پر ہوگا۔

(۲) تمام شہری انجمنوں کا مقصد انسانوں کے فطری اور لازوال حقوق کا تحفظ ہے۔ یعنی حقوقِ آزادی، حقوق ملکیت اور ظلم کے خلاف مزاحمت کا حق۔

(۳) قوم لازماً تمام تر اقتدار کا سرچشمہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی شخص یا مجموعہ اشخاص کسی اقتدار واختیار کا حامل نہیں ہوسکتا۔ اِلّا یہ کہ اس کا اختیار واضح طور پر مقتدر اعلیٰ سے ہی ماخوذ ومستفاد ہو۔

(۴) آزادی کی وسعت وانحصار اس حد تک ہے جہاں تک کہ وہ دوسرے کی آزادی کے لئے ضرر رساں نہ ہو۔ اس اصول کے مطابق ہر شخص اپنے بنیادی حقوق سے استفادہ کرنے میں آزاد ہو۔ اور ان حدود کا تعین صرف قانون سے ہی ہوسکتا ہے۔

(۵) قانون کی نظر میں صرف وہی باتیں معیوب وممنوع ہونی چاہئیں جو معاشرہ کے لئے ضرر رساں ہیں۔ جس کی ممانعت قانون میں نہ ہو، اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ نہ ہی کسی شخص کو ایسی بات پر مجبور کیا جانا چاہئے جس کا مطالبہ قانون کی جانب سے نہ ہو۔

(۶) قانون لوگوں کی مشترکہ ومتفقہ مرضی کا اظہار ہوتا ہے۔ تمام شہریوں کو اس میں شرکت کا حق ہے۔ کوئی فرد اس کی تشکیل میں خواہ ذاتی طور پر شریک ہو یا نمائندگی کے ذریعہ۔ قانون سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ خواہ وہ تحفظ کے لئے ہو یا سزا کے لئے۔ اور سب اس کی نظر میں برابر ہیں اور جملہ اعزازات، مقامات اور مناصب کے لئے سب اپنی مختلف صلاحیتوں کے مطابق یکساں طور پر مستحق ہیں۔ ان کی اپنی خوبیوں اور طباعی وذہانت کے علاوہ

not

کوئی دوسرا امر وجہ امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔

(۷) سوائے ان صورتوں کے جو قانون متعین کرے اور ان طریقوں کے جن کا قانون نے حکم دیا ہے کسی شخص پر نہ کوئی جرم عائد کیا جائے گا نہ اس کو قید کیا جائے گا اور نہ جیل میں بند کیا جائے گا۔ تمام وہ لوگ جو من مانے احکام کا مشورہ دیں، حمایت کریں، ان کا نفاذ کریں یا نفاذ کرائیں ان کو سزا ملنی چاہئے۔ اور ہر شہری، جس کو قانون کی رو سے عدالت میں طلب کیا جائے یا حراست میں لیا جائے فوری طور پر اس کی تعمیل کرنی چاہئے اور اگر وہ مزاحمت کرے تو سزا کا مستوجب ہوگا۔

(۸) قانوناً جرمانہ یا تاوان صرف اسی طرح کا اور اسی قدر عائد کیا جانا چاہئے جو مطلقاً اور صراحتاً ضروری اور لازمی ہو اور کسی شخص کو بھی سزا نہیں دینی چاہئے اِلّا اس قانون کی رو سے جو جرم سرزد ہونے سے پہلے نافذ ہو اور جس کا قانوناً اطلاق ہوسکتا ہو۔

(۹) چونکہ ہر شخص معصوم ہے جب تک کہ وہ مجرم ثابت نہ ہوجائے۔ اس لئے جب کبھی اس کی گرفتاری ناگزیر ہوجائے تو قانوناً اسے ایسی مدد بہم پہنچائی جائے جو اس کی شخصیت کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔

(۱۰) کسی شخص کے معاملہ میں اس کے خیالات اور آراء کی بناء پر دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ نہ ہی اس کے مذہبی خیالات وعقائد کی بناء پر؛ جب تک کہ ان خیالات وعقائد کا اقرار و اعلان سرکاری نظم وضبط کے انتشار کا باعث نہ بنے۔

(۱۱) خیالات وافکار کی بلا روک ترسیل واشاعت چونکہ انسان کا ایک انتہائی قیمتی بنیادی حق ہے اس لئے ہر شہری اپنی تقریر، تحریر اور اس کی طباعت واشاعت میں آزاد ہے بشرطیکہ وہ بے لگام آزادی کی خرابیوں کا خود ذمہ دار ہو۔ ان معاملات میں جن کا تعین قانون نے کردیا ہے۔

(۱۲) انسانوں اور شہریوں کے حقوق کو تحفظ دینے کے لئے چونکہ ایک سرکاری قوت ضروری ہے اس لئے اس قوت کا قیام معاشرہ اور سماج کی بہتری کے لئے ہونا چاہئے نہ کہ اس مخصوص شخص کے فائدے کے لئے جس کو یہ تفویض کی گئی ہے۔

(۱۳) سرکاری قوت کو مدد بہم پہنچانے اور حکومت کے دوسرے اخراجات پورے کرنے کے لئے ایک مشترکہ رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ رقم معاشرہ کے جملہ ارکان پر ان کی حیثیت کے مطابق مساوی طور پر وصول کی جانی چاہئے۔

(۱۴) سرکاری عطیہ کی ضرورت وحاجت، اس کے جواز، مقدار، طریقہ تشخیص اور مدت کے تعین کے سلسلہ میں ہر شہری بجائے خود یا اپنے نمائندے کے ذریعہ آواز اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

(۱۵) سماج کو اپنے تمام ارکان کے رویہ اور کردار کے احتساب کا حق حاصل ہے۔

(۱۶) ایک ایسے معاشرہ کے لئے دستور کی ضرورت ہے جہاں بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ حاصل نہ ہو اور نہ

not

تقسیم اختیارات موجود ہو۔

(۱۷) حق ملکیت وجائداد ناقابل انفساخ اور محفوظ ہے۔ لہٰذا کسی کو اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ سرکاری ضرورت ناگزیر ہو یا قانوناً اس کا تقاضہ موجود ہو یا کسی سابقہ جائز تاوان کی ادائیگی ثابت ہو۔

ضمیمہ (۵)

نوشتۂ حقوق ۱۷۹۱ء، (امریکہ)

تعارف :

☆ اعلان استقلال امریکہ ۱۷۷۶ء میں ہوا

☆ وثیقۃ الحقوق (Bill of Rights) کا اجراء دسمبر ۱۷۹۱ء میں عمل میں آیا۔(۱)

☆ برطانوی وثیقۃ الحقوق کے طرز پر امریکی ورجینا سمیت تمام ریاستیں اپنے اپنے وثیقہ جات رکھتی ہیں۔ تاہم فرانس کے اعلانِ حقوقِ انسانی کی طرح امریکی دستور دس ترامیم کے ساتھ (جن پر وثیقۃ الحقوق مشتمل ہے) دستوریت اور قانونیت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔(۲)

متن دستاویز :

(۱) کانگریس مذہب کے قیام سے متعلق یا اس کے آزادی کے ساتھ نافذ کئے جانے کی ممانعت کرتے ہوئے یا آزادیٔ تقریر یا پریس کی آزادی کے حق سے کسی کو محروم کرنے یا لوگوں کو امن کے ساتھ کہیں مجتمع ہونے کے حق اور شکایات کی دادرسی کے لئے سرکار سے مرافعہ کرنے کے سلسلہ میں کوئی قانون وضع نہیں کرے گی۔

(۲) کسی آزاد ریاست کے تحفظ کے لئے ایک باقاعدہ رضاکار فوج (ملیشیا) کی ضرورت ہونے کی وجہ سے قوم کے اس حق کی تنسیخ نہیں کی جائے گی کہ وہ ہتھیار رکھے اور اپنے ساتھ لے کر چلے۔

(۳) امن یا جنگ کے زمانہ میں کسی سپاہی کو، مالک کی مرضی کے بغیر کسی مکان میں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سوائے اس کے کہ وہ قیام کسی مقررہ طریقہ اور ضابطہ کے مطابق ہو۔

(۴) لوگوں کو اپنی ذات، مکانات، کاغذات اور ساز وسامان کی کسی معقول وجہ کے بغیر تلاشی یا اس پر قبضہ کے خلاف مدافعت کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ اور کسی امکانی سبب کے بغیر کوئی وارنٹ جاری نہیں کیا جائے گا۔ اس سبب کی تائید قسم یا تصدیق سے ہونی چاہئے۔ اور اس وارنٹ میں خصوصیت سے اس جگہ کا ذکر ہونا چاہئے جس کی تلاشی لی جائے گی یا ان اشخاص یا اشیاء کا جن کو قبضہ میں لیا جاتا ہے۔

(۵) کوئی شخص کسی سنگین یا پھر قابل نفرت جرم کے لئے اس وقت تک جواب دہ نہیں ہوگا۔ جب تک کہ ایک جیوری کلاں کا تحریری استغاثہ یا حلفیہ بیان نہ ہو۔ سوائے ان مقدمات کے جو بری یا بحری فوجوں یا رضا کار فوج میں زمانہ جنگ یا پبلک کے خطرہ کے وقت دوران ملازمت پیش آیا ہو۔ نہ ہی کسی فوجداری مقدمہ میں کسی کو اپنے ہی خلاف گواہ بننے پر مجبور کیا جائے گا۔ نہ ہی مناسب کارروائی کے بغیر زندگی، آزادی یا املاک سے محروم کیا جائے گا۔ نہ ہی نجی املاک کو عوامی استعمال کے لئے بغیر معقول معاوضہ دیئے لیا جائے گا۔

(۶) تمام فوجداری مقدمات میں مجرم کو یہ حق حاصل رہے گا کہ اس کے مقدمہ کی تحقیقات اور سماعت جلدی اور کھلی عدالت میں ہو۔ جو اس ریاست کے اور ضلع کی غیر جانبدار جیوری کرے۔ جہاں جرم کا ارتکاب ہوگا اور جرم کی نوعیت اور اس کے سبب سے متعلقہ شخص کو آگاہ کیا جائے گا اور اس کو ان گواہوں کے، جو اس کے مخالف ہیں، بالمقابل کردیا جائے گا۔ اس کی حمایت میں گواہان لازمی طور پر فراہم کئے جائیں اور اس کے دفاع کے لئے مشیران قانون کی امداد حاصل ہونی چاہئے۔

(۷) عام قانونی مقدمات میں جہاں متنازعہ کی رقم کا تشخص بیس ڈالر سے تجاوز کر جائے، وہاں جیوری مقدمہ کی سماعت کا حق محفوظ کرلے گی اور جس واقعہ کی تحقیق جیوری کر چکی ہوگی اس کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی کوئی عدالت بھی سوائے عام قانونی ضابطوں کسی اور طریقہ سے دوبارہ تحقیق نہیں کرے گی۔

(۸) زیادہ ضمانت طلب نہیں کی جائے گی نہ زیادہ جرمانے کئے جائیں گے، نہ ہی ظالمانہ اور غیر معمولی سزائیں دی جائیں گی۔

(۹) آئین میں بعض حقوق کے تعین کو، دوسرے قوانین کی تردید یا تحقیر کی غرض سے بطور تعبیر کام میں نہیں لایا جائے گا۔ جو قوم نے قائم کئے ہیں۔

(۱۰) جو اختیارات آئین نے ریاست ہائے متحدہ کو تفویض نہیں کئے ہیں یا اس نے ریاستوں کو، ان سے روکا نہیں ہے وہ بالترتیب، ریاستوں یا عوام کے لئے محفوظ ہیں۔

(۱۱) غالباً حذف کردی گئی

(۱۲) ایضاً

(۱۳) (ا) غلامی یا زبردستی کی خدمت سوائے بطور سزا ایسے جرم کے لئے جس میں فریق جائز طریقہ پر مجرم قرار دیا جا چکا ہوگا، ریاست ہائے متحدہ میں یا کسی ایسی جگہ پر جو ان کی عملداری میں ہوگی، باقی نہیں رہے گی۔

(ب) کانگریس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دفعہ کو موزوں آئین سازی کے ذریعہ نافذ کرے۔

(۱۴) (ا) وہ تمام اشخاص جو ریاست ہائے متحدہ میں پیدا ہوئے ہیں یا جنہوں نے وہاں کی شہرت حاصل کرلی ہے اور اس کی عملداری میں ہیں، ریاست ہائے متحدہ کے اور اس ریاست کے (با قاعدہ) شہری متصور ہوں

کے، جہاں وہ مقیم ہیں۔

(ب) کوئی ریاست نہ ایسا قانون وضع کرے گی، نہ نافذ کرے گی جو ریاست ہائے متحدہ کے شہریوں کو ان کے حقوق یا ان کی آزادیوں سے محروم کردے۔ نہ ہی کوئی ریاست کسی شخص کو اس کی زندگی آزادی یا املاک سے بغیر مناسب قانونی کاروائی کے محروم کرے گی نہ کسی ایسے شخص کو جو اس کی عملداری میں ہوگا قانون کے مساوی تحفظ دینے سے انکار کرے گی۔

(۱۵) (ا) ریاست ہائے متحدہ کے شہریوں کو ووٹ دینے کے حق سے نہیں روکا جائے گا۔ یا ریاست ہائے متحدہ یا کوئی ریاست، نسل، رنگ یا غلامی کی سابقہ شرط کی وجہ سے محروم نہیں کرے گی۔

(ب) کانگریس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دفعہ کو موزوں آئین سازی کے ذریعہ نافذ کرے۔

(بعد کی تمام ترامیم حذف کردی گئیں۔)

قلوپطرہ®

روشن اور خوبصورت آنکھوں کے لئے

CLEOPATRA®

سُرمہ۔سُرمی۔کاجل

MANUFACTURES:
SHAMSI INDUSTRIAL COMPANY
® REGISTERD TRADE MARK.